موسس: سیدابوالاعلیٰ مودودیؒ

اگست ۲۰۰۸

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

الرازی پرائیویٹ لمیٹڈ کا ایک منفرد رہائشی منصوبہ

الرحیم ٹاؤن

5 مرلہ 10 مرلہ اور ایک کنال کے پلاٹس دستیاب

راولپنڈی میں اڈیالہ روڈ پر صدر جی پی او سے صرف 16 کلومیٹر کے فاصلہ پر بہترین محل وقوع اور تمام تر سہولیات زندگی سے آراستہ ایک مکمل رہائشی منصوبہ

قیمت صرف

-/50,000 روپے فی مرلہ

پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر بکنگ جاری ہے۔

برائے رابطہ:

طارق محمود ملک 0333-5358855

ڈاکٹر اشتیاق عرفان 0334-5111128

الرحمٰن ویلی

PHASE II

الحمدللہ فیز I میں ترقیاتی کاموں کا آغاز کر دیا گیا ہے

محل وقوع

متصل قرطبہ سٹی، نزد موٹر وے چکری انٹرچینج انڈسٹریل زون راولپنڈی

سہولیات

پانی، بجلی، گیس، ٹیلی فون، کمیونٹی سنٹر، مسجد، سکول، کالج، پارک، قبرستان اور 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت

جدید سہولیات

بینک، ہسپتال، اسلامک سنٹر، لائبریری، کمرشل ایریا، سکیورٹی اور دیکھ بھال کا نظام

طریقہ کار

درخواست فارم کے ہمراہ شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور 2 عدد پاسپورٹ سائز تصاویر لگائیں اور چیک/ڈرافٹ بنام سائبان ایسوسی ایٹس اکاؤنٹ نمبر 1288-7 الائیڈ بینک آف پاکستان چوہڑ ہڑپال برانچ کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

- براہ کرم ڈرافٹ کے پیچھے اپنا مکمل پتہ اور نام ضرور درج فرمائیں۔
- درخواست فارم اور بروشر مفت طلب فرمائیں۔

برانچ آفس کراچی

سائبان ایسوسی ایٹس

C-161، کمرشل ایریا بلاک 2، PECHS طارق روڈ، کراچی، متصل رینجل سکیورٹی گارڈز

فون: 021-2014728، موبائل: 0345-5360557

بکنگ آفس لاہور

الفا رئیل اسٹیٹ

32 منصورہ مارکیٹ، بالمقابل منصورہ مین گیٹ ملتان روڈ لاہور موبائل: 0300-9480853

فون: 042-7444316,7443429

ادائیگی کا شیڈول

	پلاٹ سائز	ایڈوانس	ماہانہ قسط	تیسویں قسط	ساٹھویں قسط	کل قیمت
5 مرلہ	25 x 50	25,000/- روپے	2,500/-	15,000/-	15,000/-	200,000/- روپے
10 مرلہ	35 x 70	50,000/- روپے	5,000/-	30,000/-	30,000/-	400,000/- روپے
ایک کنال	50 x 90	100,000/- روپے	10,000/-	60,000/-	60,000/-	800,000/- روپے

ملک بھر سے نمائندگان کی فوری ضرورت ہے۔ خواہشمند افراد رابطہ فرمائیں۔ تحریکی افراد کو ترجیح دی جائے گی

سائبان ایسوسی ایٹس ®

2G/256 بابا مارکیٹ، چوہڑ ہڑپال، مین پشاور روڈ راولپنڈی

فون 051-5466925 موبائل: 0300-5249230

Web: www.saibaanassociates.com

E-mail: info@saibaanassociates.com

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد ۱۳۵، عدد ۸، شعبان ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر

مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - ۵۴۷۹۰

فون: ۰۴۲-۵۴۲۵۳۵۶

فیکس: ۰۴۲-۵۴۳۲۱۹۴

ای میل: tarjuman@wol.net.pk

انتظامی امور

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور - ۵۴۶۰۰

فون: ۰۴۲-۷۵۸۷۹۱۶، ۷۰۶۵۷۶۵

فیکس: ۰۴۲-۷۵۸۵۵۹۰

موبائل: ۰۳۰۷-۴۱۱۲۷۰۰

ای میل: tarjumanq@wol.net.pk
tarjuman@tarjumanulquran.org

ویب: www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے

زر سالانہ: ۳۰۰ روپے

۵ سال کے لیے: ۱۲۰۰ روپے

معاون خصوصی: ۵۰۰۰ روپے

بیرونی ایڈیشن: ۴۰ روپے

بنگلہ دیش، بھارت ۱۲۰۰ روپے

ایران، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، یورپ، افریقہ ۱۵۰۰ روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا ۱۸۰۰ روپے

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن

A/c # 0010-1957-3
UBL, Ichhra Br. Code: 0559, Lahore

زیر اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

محکمہ تعلیم سے منظور شدہ بحوالہ SO(A-IV)4-45/99

معمار کا سا انداز

ارکان کی مشکلات میں بھی کوئی کمی نہیں اور نہ ان میں کسی کمی کی اس وقت تک کوئی توقع کرنی چاہیے جب تک کہ اپنے ماحول اور سوسائٹی کو بدل کر ہم اپنے ڈھب پر نہیں لے آتے۔ دریا میں رہتے ہوئے اس کی رو کے خلاف چلنے سے مزاحمت کا پیش آنا ایک فطری چیز ہے۔ جب آپ پوری سوسائٹی کے رجحانات، طور طریقوں اور چلن کے خلاف چلیں گے تو ہر ہر قدم پر ٹکر ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ غلط اصولوں پر قائم نظامِ زندگی میں ہمیں اگر مشکلات پیش نہ آئیں تو تعجب کرنا چاہیے نہ کہ ان کے پیش آنے پر۔ البتہ ارکان کو یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مشکلات اور مزاحمتوں کو خواہ مخواہ دعوت کبھی نہ دیں بلکہ اپنی طرف سے حتی الامکان بچ کر چلنے کی کوشش کریں۔

مومن ایک دانا اور حکیم انجینیر کی طرح دین کی سڑک کو رضاے الٰہی کی منزل تک لے جاتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ماہرفن انجینیر پہاڑوں اور دریاؤں اور نالوں سے خواہ مخواہ لڑکر اپنی قوت اور سرمایہ ضائع کرنے کے بجاے اپنی سڑک کو پہاڑوں کے دامن کے ساتھ ساتھ، وادیوں کے کناروں پر، چھوٹے پایاب نالوں میں gap بنا کر اور دریاؤں پر پل باندھ کر آگے گزر جاتا ہے، اور صرف ان پہاڑوں کو توڑنے اور ان ندی نالوں کو پاٹنے پر قوت و سرمایہ صرف کرتا ہے جہاں ایسا کیے بغیر آگے بڑھنے کی کوئی شکل نہ ہو یا اس کی سڑک کے لیے آیندہ نقصان کا موجب ہو سکتے ہوں۔ صراط مستقیم کے معماروں اور انجینیروں کو بھی اسی حکمت و دانائی سے کام کرنا ہے اور اپنے فن کا زور دکھانے کے لیے رکاوٹوں کو پیدا نہیں کرنا اور نہ مشکلات کو دعوت دینا ہے بلکہ جو فی الواقع موجود ہیں ان سے بھی حتی الامکان ٹکرائے بغیر آگے نکل جانا ہے۔ ہاں، جہاں کوئی بالکل ہمارا راستہ روکنے ہی پر تل جائے اور ہمیں اور دوسرے بندگانِ خدا کو حق پر چلنے ہی نہ دینا چاہتا ہو تو تصادم ناگزیر ہے لیکن اس کا فیصلہ جماعت کا کام ہے نہ کہ کسی ایک رکن یا مجموعہ ارکان کا۔

اس سال ہمارے مختلف ارکان کو قوم و برادری کے غیرشرعی اور بے بنیاد طور طریقوں کو ترک کر دینے پر بعض جگہ قتل کی دھمکیاں دی گئی ہیں، بعض جگہ شہر بدر اور برادری سے اخراج کے ڈراوے دیے گئے اور بعض جگہ رشتے ناطے اور عمر بھر کے تعلقات منقطع کر لیے گئے اور بعض کی بیویوں نے ساتھ چھوڑ دیا لیکن الحمدللہ کہ کسی ایک رکن کے بھی پاے ثبات میں ذرا فرق نہ آیا بلکہ یہ سب کچھ ان کے ایمان و عقیدہ کو زیادہ پختہ ہی کر دینے کا موجب ہوا۔ (روداد جماعت اسلامی بابت ۴۶-۱۹۴۵ء، میاں طفیل محمد، ترجمان القرآن، ج ۲۸، عدد ۶، جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ، مئی ۱۹۴۶ء، ص ۶۱-۶۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پیپلز پارٹی کی حکومت کے ۱۰۰ دن

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم!

پروفیسر خورشید احمد

سید یوسف رضا گیلانی کی قیادت میں قائم ہونے والی مخلوط حکومت نے اپنے پہلے ۱۰۰ دن کے پروگرام کا اعلان کر کے پاکستانی سیاست میں ایک نئی مثال قائم کی تھی۔ حکومت کے پہلے ۱۰۰ دنوں کو انقلابی تبدیلیوں کا فیصلہ کن زمانہ قرار دینے کی روایت امریکا میں صدر روز ویلٹ نے ۱۹۳۳ء میں قائم کی جب ۴ سال کی تباہ کن کساد بازاری کے بعد امریکی عوام نے ان کو سرمایہ دارانہ نظام کو اس کے بدترین ابتلا سے نکالنے کا مینڈیٹ دیا اور انھوں نے جنوری ۱۹۳۳ء میں صدارت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی ۱۰۰ دن میں امریکا کی معیشت اور سیاست کا رخ بدل دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ اس طرح وہ تاریخی عمل شروع ہوا جسے نیوڈیل (New Deal) کے نام سے جانا جاتا ہے اور جس میں روز ویلٹ کی قیادت میں معاشی اعتماد جو پارہ پارہ ہوگیا تھا، بحال ہوا۔ بنکوں نے دوبارہ کام شروع کیا۔ حکومت نے مثبت معاشی کردار ادا کیا اور قانون سازی کے ذریعے معاشی زندگی کی ازسرنو نظم بندی کر کے ملک کو تاریکیوں سے نکال کر روشن راہوں پر سرگرمِ عمل کر دیا۔ ان ۱۰۰ دنوں میں روز ویلٹ نے ۱۵ نئے اہم اور انقلابی قوانین منظور کرائے، کانگریس کو ۱۵ پیغام بھیجے، ۱۰ پُرعزم تقاریر کیں، ہفتہ میں دو بار کابینہ کا اجلاس کیا، ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا اور ملکی اور عالمی سیاست کے میدانوں میں تاریخ ساز پالیسیوں کا اعلان کر کے ایک نئی روایت قائم کی۔

روز ویلٹ کے اس اقدام نے جمہوری سیاست میں 'حکومت کے پہلے ۱۰۰ دن' کے باب کا اضافہ کیا۔

پاکستان میں اس نسخے کو پہلی بار زرداری گیلانی حکومت نے استعمال کیا اور مارچ ۲۰۰۸ء میں اقتدار سنبھالتے ہی ایک خوش کن پروگرام کا اعلان کیا جس میں آمریت کے خاتمے، عدلیہ کی بحالی، پارلیمنٹ کی بالادستی، امن و امان کے قیام، معیشت کی اصلاح، کفایت کے فروغ، مزدوروں اور طلبہ کے حقوق کی بحالی، روزگار کی فراہمی، قیمتوں کے استحکام، عوامی احتساب اور مذاکرات کے ذریعے سیاسی مسائل کے حل کی نوید سنائی گئی۔ حکومت نے خود اپنی کارکردگی کی پرکھ اور سیاست اور معیشت کے نئے رخ کی جانچ کے لیے قوم اور میڈیا کو ایک معیار اور میزان فراہم کی ــــ ۱۰۰ دن کا اعلان کردہ پروگرام ایک آئینہ ہے جس میں حکومت کی کارکردگی کا اصل چہرہ دیکھا جاسکتا ہے اور غالباً اس بارے میں دو آرا مشکل ہیں کہ یہ تصویر تاریک، داغ دار اور مایوس کن ہے۔

اس کا اندازہ انٹرنیشنل ری پبلکن انسٹی ٹیوٹ کے زیراہتمام کیے جانے والے اس عوامی جائزے سے کیا جاسکتا ہے جو چاروں صوبوں کی ۵۰ تحصیلوں کے ۲۲۳ دیہی اور ۱۲۷ شہری علاقوں سے متعلق ۳ ہزار ۴سو ۸۴ خواتین و حضرات کے انٹرویوز پر مبنی ہے۔ اس کی رو سے آبادی کے ۸۶ فی صد افراد کا فیصلہ یہ ہے کہ پاکستان میں جاری پالیسیوں کا رخ غلط ہے۔ حکومت کی کارکردگی کو ۵۱ فی صد نے مایوس کن قرار دیا ہے۔ عوامی راے کا یہ جائزہ اس حیثیت سے بہت ہی اہمیّت کا حامل ہے کہ آبادی کا ۸۳ فی صد جنرل (ر) پرویز مشرف کو صدارت سے ہٹانے کے حق میں ہے اور عوامی تائید اور پسندیدگی کے اعتبار سے سب سے مقبول لیڈر نواز شریف ہیں جن کو ۸۲ فی صد لوگ پسند کرتے ہیں۔ ان کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خان آتے ہیں جن کو ۶۷ فی صد کرسی صدارت پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے بعد مقبول ترین شخصیت چیف جسٹس افتخار چودھری کی ہے جنھیں ۶۵ فی صد کی تائید حاصل ہے۔ زرداری صاحب کو جو اس وقت سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے ہیں ۴۵ فی صد کی، جب کہ یوسف رضا گیلانی کو ۶۴ فی صد اور امین فہیم کو ۴۹ فی صد (زرداری صاحب سے ۴ درجے زیادہ) کی تائید حاصل ہے۔

اس جائزے کی رو سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخصیت پرویز مشرف کی ہے۔ عوامی سوچ

کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ۱۰۰ میں سے ۸۹ افراد نے ملک کے سب سے اہم مسئلے کے طور پر معاشی مسائل کو پیش کیا ہے (۷۱ فی صد افراطِ زر اور مہنگائی، ۱۴ فی صد بے روزگاری اور ۵ فی صد غربت) اور ان کے ۷۲ فی صد کا کہنا ہے کہ ان کی معاشی حالت گذشتہ ۴ مہینوں میں خراب ہوئی ہے۔ ۷۱ فی صد کی راے میں دہشت گردی اور انتہاپسندی کا حل صرف سیاسی ہے اور ۶۵ فی صد نے دہشت گردوں سے امن معاہدے کی تائید کی ہے۔ دہشت گردی کو اہم ترین مسئلہ قرار دینے والوں کی تعداد صرف ۱۲ فی صد ہے، جب کہ خودکش حملوں سے خطرہ محسوس کرنے والے افراد صرف ۲ فی صد ہیں۔ رہا القاعدہ سے خطرہ محسوس کرنے کا سوال، تو ان کی تعداد ایک فی صد سے بھی کم ہے۔ (ملاحظہ ہو، روزنامہ ڈان، ۱۸ جولائی ۲۰۰۸ء اور بی بی سی اُردو ڈاٹ کام، ۱۷ جولائی ۲۰۰۸ء)

یہ جائزہ ہی نہیں، خود وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا ۱۹ جولائی کا بے جان خطاب، جو قوم سے ان کا پہلا بلاواسطہ خطاب بھی تھا، ۱۰۰ دن کی مایوس کن کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

زرداری گیلانی حکومت کا بے لاگ اور معروضی جائزہ اس حقیقت کے اعادہ کے بغیر منصفانہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس حکومت کو مارچ ۲۰۰۸ء میں مشرف دور کی آٹھ سالہ غلط اور تباہ کن معاشی، سیاسی، انتظامی اور خارجہ پالیسی کے نتائج سے سابقہ تھا اور اس کے ساتھ عالمی معاشی اور سیاسی حالات بھی بڑے ناموافق تھے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ سارے حالات ۲۰۰۷ء میں کھل کر سامنے آگئے تھے اور پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں 5-E[1] کا جو پروگرام پیش کیا تھا وہ ان حالات کے پیش نظر ہی پیش کیا گیا تھا۔ پھر کسی مطالبے کے بغیر پہل کاری کرتے ہوئے ۱۰۰ دن کا جو پروگرام اس نے پیش کیا، وہ نہ کسی مجبوری کی وجہ سے تھا اور نہ آنکھیں بند کر کے مرتب کیا گیا تھا۔ توقع یہی کی جاتی ہے کہ ۱۰۰ دن کا پروگرام سوچ سمجھ کر پیش کیا گیا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کا ۵ فی صد بھی ان چار مہینوں میں حاصل نہیں کیا جاسکا۔ یہ حکومت کی موجودہ ٹیم کی نااہلی اور اس پورے دروبست کی ناکامی کا ثبوت ہے جو آصف علی زرداری نے محترمہ بے نظیر کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی کو اپنی گرفت میں لے کر اپنی پسند کی ایک ٹیم کے ذریعے قوم کو دیا تھا۔ یہ ناکامی

۱- Employment , Education , Energy , Environment and Equality

دراصل زرداری صاحب اور ان کی ٹیم کی ناکامی ہے اور ان پالیسیوں کی ناکامی ہے جو عملاً انھوں نے اختیار کیں اور ۱۰۰ دنوں کے اعلان کردہ پروگرام کو پسِ پشت ڈال کر ملک اور خود اپنی پارٹی پر مسلط کیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود پیپلز پارٹی کے ایک رکن جناب امین فہیم اور محترمہ بے نظیر کی ٹیم کے اہم افراد اس ناکامی کا کھلے بندوں اعتراف کر رہے ہیں اور زرداری صاحب اور ان کی پالیسیوں اور ان کے مقرر کردہ افراد کو ان حالات کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ امین فہیم صاحب کے ارشادات نوٹ کرنے کے لائق ہیں جن کی مزید تفصیل دی نیوز انٹرنیشنل کی ۱۶ جولائی ۲۰۰۸ء کی اشاعت میں دیکھی جاسکتی ہے:

> پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین کے صدر نے دی نیوز کو بتایا: میں تمام ممکنہ نتائج بشمول زرداری کے زیراثر قیادت کی جانب سے شوکاز نوٹس کا سامنا کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہوں۔ انھوں نے کہا: پارٹی کے موجودہ رہنماؤں نے پارٹی کو حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے اور ملک کی صورت حال خراب ہوتی جارہی ہے۔ امین فہیم یہ کہتے ہوئے کہ پارٹی کو چند نئے آنے والوں اور مفادات پرستوں نے یرغمال بنایا ہوا ہے، آبدیدہ ہوگئے۔
>
> امن و امان کی صورت حال بگڑ رہی ہے، لوگ اپنے بچوں کے ساتھ خودکشیاں کر رہے ہیں، سرحدیں غیر محفوظ ہیں، قیمتیں بے تحاشا بڑھ رہی ہیں اور ملک میں دہشت گردی کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ امین فہیم نے تفصیل سے بتایا کہ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی زیرقیادت حکومت اس قابلِ افسوس صورت حال کی پوری طرح ذمہ دار ہے۔ حکومت نے ۱۰۰ دن گزرنے کے باوجود ان دائروں میں بہتری کے لیے کچھ نہ کیا۔ پی پی پی کے صدر نے ایک سوال کے جواب میں اس سے اتفاق کیا کہ پارٹی کی مقبولیت کا گراف مسلسل گر رہا ہے اور یہ حالت اگر جاری رہی تو ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے؟
>
> خودکشیاں، قیمتوں میں اضافہ اور امن و امان کی صورت حال حکومت کے قابو سے بالکل باہر ہے۔ سینیر ممبر ہونے کی حیثیت سے میرا یہ اولین فرض ہے کہ پارٹی کے معاملات

اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کے معاملات میں خامیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشان دہی کروں۔ اگر پارٹی کی قیادت اس کو پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی سمجھتی ہے، تب بھی میں اپنے موقف پر قائم رہوں گا۔

محترم امین فہیم صاحب کا دوسرا بیان تصویر کے کچھ اور رُخ نمایاں کرتا ہے۔ یہ بھی امین فہیم صاحب ہی کے الفاظ میں نوٹ کرنے کے لائق ہے:

پی پی پی کے سینیر نائب صدر مخدوم امین فہیم نے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی اب بھی بیک ڈور چینل کے ذریعے صدر پرویز مشرف سے رابطے میں ہے اور قوم پیپلز پارٹی کی زیرقیادت حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہے۔ ۱۰۰ دنوں میں کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ صرف افراطِ زر کو بڑھایا گیا ہے۔ امن و امان کی صورت حال خراب ہے اور اغوا برائے تاوان اپنے عروج پر ہیں۔ (دی نیوز انٹرنیشنل، ۲۰ جولائی ۲۰۰۸ء)

صاف نظر آ رہا ہے کہ ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء کے عوامی مینڈیٹ کو زرداری حکومت نے سوچ سمجھ کر نظرانداز کیا ہے اور عوام نے جس تبدیلی (change) کے لیے قربانیاں دی تھیں اور سیاسی جماعتوں اور نمایندوں کو مینڈیٹ دیا تھا، اس کو پسِ پشت ڈال کر مشرف کے دور کی پالیسیوں کے تسلسل کا راستہ اختیار کیا گیا۔ یہ ہے وہ اصل وجہ جس کے نتیجے میں آج تک نہ ملک کا رخ درست ہوسکا ہے، نہ جمہوریت کی طرف پیش قدمی ہوئی ہے، نہ عدلیہ بحال ہوئی ہے، نہ امن و امان میں بہتری کی کیفیت رونما ہوئی ہے، نہ معیشت میں کوئی مثبت پیش رفت ہوئی ہے، نہ عوام کی زندگی میں بہتری کی کوئی صورت پیدا ہوئی ہے، نہ امریکا کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آگ سے پاکستانی عوام اور پاکستانی فوج اپنا دامن بچا سکے ہیں، نہ اپنی آزادی اور عزت کو درپیش خطرات سے بچاؤ کی سرِمو بھی کوئی راہ اختیار کر سکے ہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ پوری دیانت داری، لیکن جرأت اور بے باکی سے، اس امر کا تعیّن کیا جائے کہ کہاں غلطی ہوئی ہے، عوام کے اعتماد کو کس نے اور کس طرح ضرب لگائی ہے اور چند مہینے میں نئی قیادت نے کس تیزی سے قوم کو مایوس کیا ہے اور مسائل کو مزید الجھا دیا ہے۔ اس نشان دہی کی بھی ضرورت ہے کہ اب بھی اس دلدل سے کیسے نکلا جاسکتا ہے اور قوم کو کسی نئے طالع آزما یا پرانے شاطروں کے گھناؤنے

کھیل سے کس طرح بچایا جاسکتا ہے۔

---

۲۵ مارچ ۲۰۰۸ء کو قومی اسمبلی نے قائد ایوان کا متفقہ انتخاب کر کے جمہوریت، دستور اور قانون کی حکمرانی کے احیا کی طرف صحیح قدم اٹھایا تھا۔ فروری کے انتخابات کا یہ پیغام بھی سب کے سامنے تھا کہ اب قوم کو فوری طور پر آمریت اور اس کے دست و بازو سے نجات حاصل کرنا ہے اور جمہوریت کا سفر باہمی مشاورت، تعاون اور قومی یک جہتی پیدا کر کے جاری رکھنا ہے۔ قوم نے کسی ایک پارٹی کو مکمل اکثریت نہیں دی تھی جس کا تقاضا تھا کہ کم از کم دونوں بڑی پارٹیاں یعنی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) مل جل کر سارے معاملات کو طے کریں اور باقی ان تمام جماعتوں کو بھی اعتماد میں لیں جو مشرف کے آمرانہ دور میں اس کی شریک کار نہ تھیں۔ ۱۸ فروری کے انتخابی نتائج سے رونما ہونے والی سیاسی صورت حال کی تشکیل میں جہاں ان جماعتوں اور سیاسی کارکنوں کا کردار تھا جن کو عوام نے اپنے اعتماد کا ووٹ دیا، وہیں ان قوتوں کا بھی بڑا اہم کردار تھا جنھوں نے انتخاب کا بائیکاٹ کیا اور سیاسی فضا کو بنیادی تبدیلی کے لیے تیار کیا۔ ان میں اے پی ڈی ایم کی تمام جماعتوں کے ساتھ وکلا برادری کی جان دار تحریک، برطرف ججوں کی جرأت اور استقامت، طلبہ اور سول سوسائٹی کی انقلابی جدوجہد ہر ایک کا حصہ تھا۔ ضرورت تھی کہ پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ سے باہر تمام اہم سیاسی قوتوں کو ساتھ لے کر آگے کے مراحل کو طے کیا جاتا۔ لیکن زرداری صاحب نے بظاہر تو دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کی حکمت عملی اختیار کی مگر فی الحقیقت یہ حکمت عملی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے قومی مفاہمتی آرڈی ننس (NRO) کی چھتری تلے پناہ لینے والوں کے نیوکلیس کو مضبوط و مستحکم کرنے اور باقی سب کو اس نیوکلیس کے لیے سہارا اور مددگار بنانے پر مبنی تھی۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کی مخلوط حکومت بنانے کا ڈھونگ رچایا گیا مگر ساتھ ہی اے این پی اور جمعیت علماے اسلام (ف) ہی کو نہیں بلکہ ایم کیو ایم کو بھی ساتھ ملانے اور ان کو توازن اقتدار (balancing power) کی پوزیشن میں لانے کا کھیل کھیلا گیا۔ پہلے دن ہی ججوں کی حراست کو ختم کیا گیا مگر اس کے دوسرے اور اہم تر منطقی اقدام یعنی ججوں کی بحالی کو جان بوجھ کر بلکہ بار بار

دھوکا دے کر مؤخر اور معلق کیا گیا اور جو کام پہلے ہفتے میں ہو جانا چاہیے تھا اور جس کے نتیجے میں نظامِ عدل بحال ہو جاتا آج تک نہیں کیا گیا اور اس پر طرّہ یہ کہ ایک دستوری پیکج کے نام پر نہ صرف ججوں کی بحالی کو لاینحل الجھاؤ کا شکار کر دیا گیا بلکہ عدالت کی آزادی اور اختیارات پر بھی شب خون مارا گیا تاکہ ہمیشہ کے لیے دستوری نظام کا یہ ستون ریت کی دیوار بن جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آمریت کے وار سے برطرف ججوں کی بحالی اور جنرل پرویز مشرف کی صدارت سے نجات پرچہ امتحان (test case) کی حیثیت رکھتے تھے لیکن اب یہ بات الم نشرح ہو چکی ہے کہ زرداری صاحب کا پہلے دن سے ان دونوں امور کے بارے میں مقصد اس سے بالکل مختلف تھا جس کا وہ بظاہر اعلان کر رہے تھے اور دوسری سیاسی جماعتوں کو یقین دلا رہے تھے۔ جیسا کہ اب ملک اور ملک سے باہر کے بالغ نظر اور آزاد تجزیہ نگار کھل کر لکھ رہے ہیں، زرداری صاحب کی پرویز مشرف سے این آر او کی بنیاد پر مضبوط باہمی اتفاق ہے۔ این آر او کے تحت احتساب اور قانون کی گرفت سے نکلنے والے ایک ایک شخص کو انھوں نے اپنی ٹیم کا حصہ بنایا ہے اور ججوں کی بحالی اور عدلیہ کی آزادی کو وہ این آر او اور اس کی چھتری میں پناہ لینے والے تمام افراد کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔ ۳۰ دن کا بھوربن کے اعلان کو بعد میں ایک سیاسی بیان کہہ کر غیراہم قرار دیا لیکن اس طرح انھوں نے خود اپنی زبان سے اپنی زبان کے غیرمعتبر ہونے کا اعلان کر دیا۔ پھر ۱۲ مئی کا وعدہ کیا گیا لیکن وہ بھی وفا نہ ہوا اور مسلم لیگ (ن) وزارتوں سے مستعفی ہونے پر مجبور ہوئی۔ ۲۵ مارچ سے وزیراعظم گیلانی اور جناب زرداری جس 'خوش خبری' کا اعلان کر رہے ہیں وہ خوش فہمی ہی نہیں، دھوکا دہی کی حدوں سے بھی آگے جا چکی ہے، اور جیسا کہ جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن رمدے نے مجبور ہو کر کہہ ہی دیا ہے وہ حقیقت اب سب کے سامنے ہے۔ جسٹس رمدے کا جیو ٹی وی پر انٹرویو شائع ہوا ہے جس کا یہ حصّہ اصل حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے:

> معزول جج خلیل الرحمٰن رمدے کو پرویز مشرف کے مقابلے میں جمہوری منتخب حکومت عدلیہ کی زیادہ مخالف نظر آتی ہے۔ رمدے نے کہا کہ آرمی چیف اور صدر پرویز مشرف مارشل لا لگانے اور کوئی ۶۰ ججوں کو برطرف کرنے کے لیے صرف اس لیے مجبور ہوا کہ اپنی صدارت کو جاری رکھ سکے لیکن آج کی جمہوری طور پر منتخب حکومت اس سے آگے

جا چکی ہے۔ یہ عدلیہ کے دستوری اختیارات کو کم کر دینا چاہتی ہے۔ (دی نیوز انٹرنیشنل، ۲۱ جولائی ۲۰۰۸ء)

مشہور ماہر قانون ڈاکٹر فاروق حسن اپنے مضامین میں این آر او کے اس طلسماتی کردار کا مضبوط دلائل کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔ ۲۹ جون ۲۰۰۸ء کے دی نیشن میں وہ NRO: Musharruf's Proxy War کے عنوان سے لکھتے ہوئے بجا طور پر کہتے ہیں کہ مشرف کرسیِ صدارت پر براجمان ہے تو اس کی وجہ این آر او ہے جو مشرف نے اس لیے جاری کیا کہ پیپلز پارٹی کی سیاسی طاقت کو قابو کر سکے۔

ڈاکٹر فاروق حسن کا تجزیہ بالکل واضح ہے:

> یہ صرف این آر او کی وجہ سے ہے کہ تمام سیاسی محاذوں پر بھاری ناکامی کا سامنا کرنے کے باوجود مشرف اس طرح برسرِ اقتدار رہنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ حقائق پوری طرح ثابت کرتے ہیں کہ یہ اس لیے ممکن ہوا ہے کہ این آر او سے فائدہ اٹھانے والے وفاقی حکومت کے بہت سے طاقت ور افراد مشرف کی سیاسی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس لیے پاکستانی عوام یہ سوال پوچھنے کا حق رکھتے ہیں:
>
> ۱- اس آرڈی ننس سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے کون ہیں؟
>
> ۲- ان میں سے کتنے موجودہ حکومت میں ہیں؟
>
> ۳- ان رقومات کی مقدار کتنی ہے جو وہ اجتماعی اور انفرادی طور پر حکومت کی گرفت سے بچانے میں کامیاب ہو گئے ہیں؟

ڈاکٹر فاروق حسن کی سوچی سمجھی راے یہ ہے کہ ججوں کی بحالی میں اصل رکاوٹ این آر او ہے جس کی حفاظت کے لیے زرداری صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے مضمون میں جس کا عنوان ہی NRO Prevents Judges Restoration (این آر او نے ججوں کی بحالی روک دی) ہے۔ لکھتے ہیں:

> میں حیرت زدہ ہوں اور بے حد افسردہ بھی، کہ پاکستان کے سیاسی اور سماجی ماحول میں شر کی قوتیں بظاہر مضبوطی سے قائم ہیں۔ اس واضح نوشتۂ دیوار کے باوجود کہ ججوں کی

بحالی کے مسئلے کو حل کیے بغیر پیپلز پارٹی اور زرداری کے لیے شرمناک ناکامی مقدر ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ مشرف نے زرداری اور بی بی کے بارے میں اتنا کچھ کہنے کے بعد اچانک ان کو آنے کی اجازت دے دی، اس کے باوجود کہ امریکی اور برطانوی خارجہ عہدے داران نے اس ڈیل میں مداخلت کی، مشرف کے لیے 'اِس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے' والا معاملہ تھا جو اس وقت ہو رہا ہے۔ بدعنوانی کے کروڑوں ڈالر انھی کے پاس رہنے دیے گئے اور طویل المیعاد قید و بند کے فیصلوں کے اندیشے ختم کر دیے گئے۔ اسی طرح اس نے ان کو لفظ کے لغوی معنوں کے مطابق معلق کر دیا ہے۔ ایسے رہنماؤں کی بقا کا بنیادی پاسپورٹ بدنامِ زمانہ این آر او ہے۔ صدر نے یہ کیا کہ اس این آر او کو دستور کے شیڈول میں انھی غیرقانونی 'قوانین' کے ساتھ رکھ دیا جو ۳نومبر کے غصب کے ساتھ نافذ کیے گئے تھے۔ اگر جج اسمبلی ریزولیوشن کے ذریعے اس بنیاد پر واپس آتے ہیں کہ مشرف نے ایک غیرقانونی کام کیا تھا تو این آر او کا تحفظ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے پیپلز پارٹی کی قیادت کا پریشان ہونا چاہیے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ محض ججوں کی خاطر ملک کے اعلیٰ ترین مناصب سے اپنے اخراج کی منظوری کیسے دیں، جو اگر بحال ہوگئے تو این آر او کو ختم کر دیں گے۔ روز کا مشاہدہ ہے کہ ہر روز سنگین کرپشن مقدمات سے بری ہونے کی درخواستیں انھی قائدین کی جانب سے آرہی ہیں جو اکتوبر تک امریکا یا برطانیہ میں عیش و آرام سے رہ رہے تھے۔ اگر این آر او ناکام ہوتا ہے تو ممکنہ طور پر انھیں سختی کا سامنا کرنا پڑے گا اور پیسہ واپس کرنا ہوگا۔ (دی نیشن، ۲۸ مئی ۲۰۰۸ء)

ایک اور ماہر قانون دان بیرسٹر سید اقبال احمد ڈان میں NRO and Politics of Plunder کے عنوان سے ۱۹ جولائی ۲۰۰۸ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں کہ این آر او انصاف اور راست معاملہ کاری کی ضد ہے۔ (The NRO, as it stands, is a traversty of justice and fair play.)

بیرسٹر اقبال احمد جس نتیجے پر پہنچے ہیں، وہ بہت واضح اور محکم ہے:

بغیر کہے سب کو معلوم ہے کہ ریاست کے اعلیٰ عہدے دار اور سٹیک ہولڈرز پاکستان میں ایک آزاد عدلیہ نہیں چاہتے۔ جنرل (ر) پرویز مشرف بلاشبہہ نہیں چاہیں گے کہ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری اور معطل کیے ہوئے ان کے ساتھی جج ایک دفعہ پھر واپس آئیں اور ایک بار پھر ان کی قسمت کا فیصلہ کریں۔

کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ قیادت کے ہاتھ پاؤں جنھوں نے این آر او کے ثمرات سمیٹے ہیں جنرل (ر) مشرف نے مضبوط دھاگوں سے باندھ دیے ہیں اور وہ انگلیاں تک نہیں اُٹھاسکتے، گوکہ ان کے منہ عوام کے سامنے لفاظی کے لیے کھلے ہوتے ہیں۔ حزبِ اختلاف کے ایک لیڈر نے بہت صحیح کہا کہ مشرف اور زرداری ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں اور درحقیقت ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہیں۔

صدر مشرف کے خطرات اور اندیشے جن کی صدارت خطرے میں ہے، پیپلز پارٹی کے حکمران جن کے اربوں ڈالر جاسکتے ہیں، اور پی سی او عدلیہ کے سربراہ جسٹس اے ایچ ڈوگر جن کے اختیارات اور مقام غیریقینی ہیں، سب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اپنے ذاتی مفادات کے تحت یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ افتخار چودھری اور ان کے ساتھی سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ میں ۳نومبر کی پوزیشن پر بحال ہوجائیں۔ وہ سب کسی نہ کسی طرح خطرے کی بالکل زد میں ہیں۔ اس صورت حال میں پرویز مشرف اپنی صدارت اور پی پی پی کے لیڈر اپنے اربوں روپے چھوڑنے کو پسند نہیں کریں گے اور ایم کیو ایم کے کارکن انصاف کی خاطر عدالتوں کا سامنا کرنا پسند نہیں کریں گے۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ یہ ۱۰۰ دن سب پردے اٹھانے اور طلسم ہوا کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔ صاف نظر آرہا ہے کہ مشرف اور زرداری ایک ہی کھیل کھیل رہے ہیں۔

فصیح ذکا جو رہوڈز اسکالر ہیں، دی نیوز میں اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

۱۰۰ دن پورے ہوچکے ہیں، وعدے وفا نہیں ہوئے بلکہ یہ احساس پرورش پارہا ہے کہ ملک کو جو بحران درپیش ہے وہ ایک ایسا نظام تشکیل دے رہا ہے جہاں ہیئت مقتدرہ کا

اسٹیٹس کو جیت رہا ہے۔ یہ مشرف کو جری کر دیتا ہے اور زرداری کے پہیوں کو گریس لگا کر مزید تیز کر دیتا ہے اور دونوں میں ایک غیر مقدس اور ناپاک اتحاد قائم ہوتا ہے جو نظر آتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تکمیل پذیر ہوگا۔(دی نیوز انٹرنیشنل، ۱۶ جولائی ۲۰۰۸ء)

دی نیوز کے کالم نگار ایم بی نقوی ۱۰۰ دنوں کا حاصل یوں بیان کرتے ہیں:

اپنے پہلے ۱۰۰ دنوں میں گیلانی حکومت نے شکاری کتوں کے ساتھ شکار کھیلنے اور خرگوش کے ساتھ بھاگنے کی سی کوشش کی ہے۔ اقتصادی اور سیاسی بحران جنھوں نے ملک کو گھیر رکھا ہے اس پر اس کی کوئی واضح پالیسی نہیں ہے۔ کسی بھی بحران کا سامنا ہو، ایک حکومت کو متنازع ایشوز کا سامنا ہے۔ کیا چیز حکومت کو ایک سخت موقف اختیار کرنے سے روک رہی ہے؟ پیپلز پارٹی کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ مشرف بیش تر مسائل کی جڑ ہے۔ جب تک وہ باقی رہتا ہے ملک کی سیاسی زندگی بحران کا شکار رہے گی۔

اس دوران پیپلز پارٹی کو اسلامی انتہاپسندوں کی دھمکیوں کے بارے میں امریکی امداد اور مشورے کے بغیر ایک آزاد موقف خود اپنے طور پر اختیار کرنے کے لیے امریکیوں کو 'نہیں' کہنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ ایک آزاد خارجہ پالیسی ایسے مضبوط عزم کا تقاضا کرتی ہے کہ پاکستان اپنے موجودہ بحرانوں بالخصوص معاشی بحران سے نکل آئے اور عوام میں تحرک ہو۔

امریکا اب بھی اصرار کر رہا ہے کہ مشرف کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی رہنمائی کرنے کے لیے سپریم (بالادست) کے طور پر رکھا جائے۔ اسے ملک میں کچھ سیاسی حمایت حاصل ہے۔ وہ کچھ ایسے لوگوں کو جمع کرسکتا ہے جو پیپلز پارٹی کے ساتھ ایک نئی حکومت کو سہارا دے سکتے ہیں۔

پی پی پی نے اپنی بیمہ پالیسی کے طور پر امریکیوں سے اپنے تعلقات برقرار رکھنے کی خاطر مشرف کو اس کی جگہ پر رکھنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔(دی نیوز انٹرنیشنل، ۹ جولائی ۲۰۰۸ء)

ہم نے صرف چند اہم تجزیہ نگاروں کی آرا یہاں پیش کی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اب آزاد اہلِ قلم کی بڑی تعداد یہ کہنے پر مجبور ہے کہ زرداری گیلانی حکومت کی پہلے ۱۰۰ دن نہایت

مایوس کن ہیں۔ اصل وجوہات کا تجزیہ کیا جائے تو تصویر کے خدوخال کچھ اس طرح کے دکھائی دیتے ہیں:

۱- بظاہر مرکز اور صوبوں میں مخلوط حکومتیں ہیں لیکن فی الحقیقت مرکز میں اصل حکومت صرف پیپلز پارٹی کی ہے اور اس میں بھی آصف علی زرداری اور ان کے من پسند افراد ہیں جن میں ایک خاص تعداد ان لوگوں کی ہے جو این آر او کے سہارے اقتدار کے دروازوں پر ایک بار پھر پہنچ گئے ہیں۔ ان میں سیاسی شخصیات کے علاوہ وہ سرکاری ملازم بھی ہیں جو قانون کو مطلوب تھے، راہِ فرار اختیار کیے ہوئے تھے اور اب اس چھتری تلے دوبارہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مسلم لیگ (ن) ججوں کی بحالی کے مسئلے پر عہدشکنی کے سبب وزارتوں سے الگ ہو چکی ہے۔ اے این پی اور جمعیت علمائے اسلام (ف) بار بار گلہ کر رہے ہیں کہ ان سے کوئی مشورہ نہیں ہوتا اور جناب آصف زرداری اور ان کے معتمد افراد ہر فیصلہ خود کر رہے ہیں بلکہ مشیر داخلہ رحمٰن ملک صاحب تو وزیراعظم کا پروٹوکول ہی نہیں رکھتے، وزیراعظم کے علم کے بغیر ہی پالیسیاں تبدیل کر ڈالتے ہیں جس کی نمایاں ترین مثال ضمنی انتخابات کا التوا ہے۔ ایسے اقدام استثنائی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا طریق واردات قرار دیے جاتے ہیں۔ مخلوط حکومت ایک تہمت ہے، اصل حکومت پی پی پی اور زرداری صاحب کی ہے اور باقی سب اپنے اپنے مصالح کی خاطر بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ اصل یگانگت اور ہم آہنگی پی پی پی کے زرداری دھڑے، مشرف اور ایم کیو ایم میں ہے اور رحمٰن ملک صاحب اس تثلیث کے محافظ اور سہولت کار (facilitator) کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

۲- ان ۱۰۰ دنوں میں حکومت کا اپنا کوئی آزاد اور منفرد رُخ سامنے نہیں آیا۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا سارے زبانی جمع خرچ کے باوجود اصل حقیقت ماضی کی پالیسیوں کا تسلسل ہے۔ خارجہ پالیسی، امریکا کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہمارا کردار، معاشی پالیسیاں، دستور اور قانون کے تقاضوں سے بے اعتنائی، سیاسی مسائل کے حل کے لیے قوت کا بے دریغ استعمال اور اس کے لیے باقاعدہ فوج کو اختیارات کی تفویض، جب کہ مذاکرات کے حق میں زبانی جمع خرچ (lip service) اس حکومت کا وطیرہ رہا ہے۔ ملک پر امریکا کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئی ہے اور جو یلغار امریکی سول اور فوجی حکام کی اس زمانے میں ہوئی ہے اور اس کے ساتھ جس

رعونت اور بے دردی سے پاکستان کی سرحدوں کی خلاف ورزیاں اور پاکستان کی زمین پر پاکستانیوں کی ہلاکت کا سامان امریکا نے کیا ہے، اس نے ماضی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ اس پر مستزاد امریکا کے سلسلے میں سخت معذرت خواہانہ رویہ ہے جس کی بدترین مثال وزیر خارجہ کی کونڈولیزا رائس سے ملاقات ہے جس میں امریکی وزیر خارجہ نے ہمارے وزیر خارجہ کو اچھی خاصی جھاڑ پلائی، سرحدی خلاف ورزیوں اور اپنی مرضی سے فوج کاری کی دھمکیاں دیں اور ہمارے وزیر خارجہ نے پریس کو بیان دیتے ہوئے امریکا کی ایسی فوجی دخل اندازیوں کو غیر دوستانہ اقدامات (un friendly acts) تک کہنے سے گریز فرمایا۔[۲] گویا ع

حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے!

امریکی صدر، صدارتی امیدوار، سینیٹ اور ایوانِ نمایندگان کے ارکان کے ارشادات اور امریکی انتظامیہ اور فوجی قیادتوں کے بیانات اور انتباہات پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو بھی دہشت گردی برپا ہے سب کا منبع اور مرجع پاکستان ہے۔ اس فضا سازی کا مقصد مشرف کو پاکستان پر مسلط رکھنا، اور سول عناصر پر مبنی حکومت کی ایسی گوشمالی کرنا ہے کہ وہ امریکی دباؤ کے آگے چوں بھی نہ کرے۔ امریکی نوازشیں دو طرح کی ہیں: ان ۴ مہینوں میں ۲۰ سے زیادہ بار ہماری سرحدوں کی خلاف ورزیاں کی گئیں، پاکستانی فوجی چوکی تک کو نشانہ بنایا گیا، اور سیکڑوں عام شہریوں اور ۱۳ فوجی افسروں اور جوانوں کو بے دردی سے ہلاک کیا گیا ہے۔ اس خون آشامی کے ساتھ سیاسی دباؤ اور بازو مروڑنا (arm twisting) بھی روزافزوں ہے، تاکہ سول حکومت کوئی آزاد راستہ اختیار نہ کر سکے۔ اس کے ساتھ فوجی اور معاشی امداد کی رشوت کا ذکر بھی ہوتا ہے اور

۲- ۱۳ جولائی ۲۰۰۸ء کے دی نیوز میں دونوں وزراے خارجہ کی ملاقات کی کچھ جھلکیاں آئی ہیں، صرف دو جملے نقل کیے جاتے ہیں: واشنگٹن سے یہ رپورٹ آئی ہے کہ (وزیر خارجہ محمود) قریشی کو سخت سرزنش کا سامنا کرنا پڑا جب پاکستان کے شمالی علاقوں میں طالبان کے اُبھرنے پر امریکی ناپسندیدگی کا اظہار کسی رورعایت کے بغیر کیا گیا۔ امریکا کے پاکستان کی خودمختاری کے احترام اور بغیر پائلٹ کے جہازوں سے سرحدی علاقوں پر حملوں کے بارے میں (وزیر خارجہ محمود) قریشی کا غیر دوستانہ اقدام قرار نہ دینے والے تبصرے کا مقصد غالباً اختلافات کو دُور کرنا تھا۔ (دی نیوز، ۱۳ جولائی ۲۰۰۸ء)

اس طرح لاٹھی (stick) اور گاجر (carrot) دونوں کا بے دردی سے استعمال جاری ہے ___ اور ہماری حکومت ہے کہ ہر ضرب اور ہر ہلاکت کے بعد ایک ہی رٹا ہوا جملہ دہراتی رہتی ہے کہ ''ملک کی حاکمیت اور آزادی کے خلاف کسی دست درازی کی اجازت نہیں دی جائے گی''۔ گویا امریکا یہ سب کچھ آپ سے اجازت لے کر رہا ہے یا کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ صرف ایک زبان سمجھتا ہے اور وہ وہی زبان ہے جس کا استعمال طالبان اور افغان غیرت مندوں نے وانا کے مقام پر کیا۔ امریکا اس چوکی کو چند دن بھی اپنے قبضے میں نہ رکھ سکا اور جب ۹ امریکی فوجی ہلاک اور ۱۵ زخمی ہوئے تو تین دن کے اندر امریکی افواج اس چوکی کو خالی کر گئیں اور اس پر طالبان نے دوبارہ قبضہ کرلیا جسے انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹربیون نے The withdrawal handed a propaganda victory to the Taliban (واپسی نے طالبان کو ایسی فتح دی جس کا خوب پروپیگنڈہ ہو) قرار دیا۔ (۱۶ جولائی ۲۰۰۸ء)

گذشتہ ۳ مہینے میں امریکا نے پاکستان کا کس طرح سفارتی گھیراؤ کیا ہے اس کا اندازہ اس سے کیجیے۔

۱۸ فروری کے انتخابات کے بعد اعلیٰ امریکی سفارت کاروں اور فوجی کمانڈروں نے اسلام آباد کے دوروں اور نیچے کی سیاسی سطح تک ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کردیا جس کا مقصد این آر او کے پس منظر میں نئی سیاسی قیادت کا جو نقشہ بنایا گیا تھا اسے عملی شکل دینا تھا۔ ان ۴ مہینوں میں اعلیٰ اختیاراتی ۱۴ مشن پاکستان آئے ہیں اور امریکی سفیرہ صاحبہ کی سفارتی یلغار اس پر مستزاد ہے۔ اس سفارتی یلغار کے تین مقاصد تھے: پہلا یہ کہ امریکا کے مفید مطلب حکومت تشکیل پائے اور صدر مشرف اور ایم کیو ایم اس کا مرکزی حصہ ہوں۔ دوسرے، امریکا کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان جو خدمات پرویز مشرف کے بلاشرکت غیرے دور میں انجام دے رہا تھا، ان کو جاری رکھا جائے اور مسئلے کا سیاسی حل نکالنے کی حکمت عملی کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں۔

۳- تیسرا مقصد انتہاپسندی کے خلاف جنگ کے نام پر ملک کی اسلامی قوتوں کو غیر مؤثر بنانا، مدرسوں کے نظام کو قابو میں کرنا، ملک میں سیکولر تعلیم کا فروغ اور سیکولر قوتوں کو تقویت دینا ہے۔ بھارت سے پاکستان کو قریب کر کے، کشمیر کے مسئلے کو دائمی تعویق میں ڈالنے اور تجارت اور ثقافت

کے رشتوں کو استوار کر کے پاکستان کی منڈیوں کو بھارتی مصنوعات کے لیے کھولنے اور پاکستانی معاشرے کو بھارتی ثقافت کی آماج گاہ بنانے کی خدمت ہوشیاری سے انجام دی جائے۔ عدلیہ کی بحالی، گمشدہ افراد کی بازیابی اور حقیقی معاشی خودانحصاری کے ایجنڈے کو پس پشت رکھا جائے اور امریکی ایجنڈے کے حصول کے لیے 'ڈنڈے اور گاجر' (stick and carrot) کا ہر حربہ استعمال کیا جائے۔ امریکا نے سفارت کاروں کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے دباؤ اور دھمکیوں کا راستہ بھی اختیار کیا ہے اور زرداری گیلانی حکومت امریکی دباؤ کے تحت پسپائی کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہ قیادت امریکا کی فوجی کارروائیوں کا خاطرخواہ جواب دینے کی جرأت سے یکسر محروم ہے اور اطلاع ہے کہ زرداری صاحب نے نواز شریف سے کہا ہے کہ دونوں مل کر صدر بش کی خدمت میں حاضری دیں اور ملک کے مسائل کے حل کے لیے ان کی آشیرباد حاصل کریں۔ ذہنی غلامی اور سیاسی محکومی کی اس سے زیادہ پست سطح اور کیا ہوسکتی ہے؟

آگے بڑھنے سے پہلے ایک نگاہ ذرا ان میں سے چند بیانات پر بھی ڈال لیں جن کی مارچ میں گیلانی صاحب کے وزیراعظم بننے کے بعد مسلسل بم باری پاکستان پر کی جارہی ہے۔

۱۶ اپریل ۲۰۰۸ء کو امریکی سینیٹ کے ڈیموکریٹ ارکان صدر بش کو خط لکھتے ہیں:

> ان پر زور دیتے ہوئے کہ دہشت گردی کے خلاف اپنی کوششوں کو عراق سے ایران اور پاکستان منتقل کردیں۔

ان کا مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

> وائٹ ہاؤس نے امریکی وسائل کا بہت زیادہ حصّہ عراق پر صرف کیا ہے جب کہ افغانستان اور پاکستان کے دہشت گردی کے مراکز (terror homes) کو نظرانداز کیا ہے۔

۱۲ اپریل کو صدر بش اے بی سی ٹیلی وژن کو انٹرویو دیتے ہوئے اس خط کی بازگشت اور پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے لیے نئی امریکی حکمت عملی کو یوں بیان فرماتے ہیں:

پاکستان، نہ کہ افغانستان یا عراق، اب وہ جگہ ہے جہاں ایسا منصوبہ بنایا جاسکتا ہے کہ امریکا میں نائن الیون جیسے حملے کیے جائیں۔

۲۲مئی کو امریکی جرنیل ڈیوڈ پیٹرانی یوس امریکی جاسوسی اداروں کی رپورٹوں کی بنیاد پر اسی خطرے کی اس طرح جگالی فرماتے ہیں:

میں امریکی خفیہ ایجنسیوں کے اس اندازے کی تائید کرتا ہوں کہ امریکی سرزمین پر نائن الیون قسم کا دوسرا حملہ پاکستان میں القاعدہ کے ٹھکانوں سے کیا جائے گا۔

جون کے مہینے میں افغانستان میں امریکی اور ناٹو فوجوں کی ہلاکت ریکارڈ حد تک ہوئی اور پہلی بار امریکی فوجی عراق سے زیادہ افغانستان میں ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اس کے بعد امریکی بحری بیڑے USS Abraham Lincoln کو بحیرۂ عرب میں منتقل کر دیا گیا۔ امریکی فوجی کمانڈر خصوصیت سے جناب چیف ایڈمرل مائیکل میولین نے پاکستان کو متنبہ کیا کہ:

پاکستان سرحد پار کر کے افغانستان آنے والے جنگجوؤں کو روکنے کے لیے مؤثر اقدامات نہیں کر رہا (not doing enough)۔

اس کے ساتھ فاٹا کے علاقے میں بیرونی دہشت گردوں کے جمع ہونے، تربیت پانے اور وہاں سے کارروائیاں کیے جانے کے خطرات سے امریکی اور عالمی میڈیا اور سیاسی محاذوں پر ایک پروپیگنڈا جنگ کا آغاز ہوگیا ہے۔ ان سب کا اصل ہدف یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت کو خائف کر کے اور دیوار سے لگا کر اُوپر بیان کردہ امریکی مقاصد کے حصول کے لیے فضا سازگار کی جائے۔

این آر او کے تحت پناہ لینے والے حکمران اپنی کھال بچانے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے پاکستان کی آزادی، حاکمیت، عزت اور اختیار کو داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔ یہ اسی دباؤ کا نتیجہ ہے کہ فاٹا، سوات اور اب پھر بلوچستان میں فوجی آپریشن شروع کر دیے گئے ہیں اور مذاکرات کے ذریعے مسائل کے سیاسی حل کے جو امکانات پیدا ہوئے تھے، وہ خاک میں ملتے نظر آرہے ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف اپنی سات سالہ جنگ بقول نوبل لاریٹ پروفیسر جوزف سٹگلیٹ تین ٹریلین ڈالر سے بھی کہیں زیادہ کا نقصان امریکا خود اٹھانے اور دنیا کو اٹھانے پر مجبور کرنے کے باوجود شکست کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس شکست میں پاکستان کو فوج کشی کی دھمکیوں

اور معاشی امداد کی زنجیروں دونوں کی مار کے ذریعے گھسیٹا جا رہا ہے اور زرداری گیلانی حکومت ہے کہ صوبائی حکومتوں کے احتجاجات کے باوجود امریکا کے آگے سپر ڈالے جارہی ہے اور اپنے ہی لوگوں کے خلاف اپنی فوج کو استعمال کر کے فوج اور قوم کے تعلقات کو ہمیشہ کے لیے خراب کر رہی ہے۔

۴- چوتھا پہلو جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے وہ معاشی حالات کا بگاڑ ہے جس کی گرفت روز بروز مضبوط تر ہوتی جارہی ہے۔ یہ بگاڑ اجتماعی فساد کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس پہلو سے سب سے زیادہ تکلیف دہ مسئلہ کھانے پینے کی عام اشیا کی قلت اور گرانی کا ہے جس نے ہر گھر کو متاثر کیا ہے۔ تیل، گیس، بجلی، آٹا، سبزیاں، دالیں اور خوردنی تیل کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ ہوا ہے۔ ان چار مہینوں میں حکومت کوئی ایسی پالیسی نافذ نہیں کر سکی جو لوگوں کی مشکلات اور مصائب میں کمی لا سکے۔ اس وقت پاکستان میں آبادی کا ایک تہائی شدید غربت کا شکار ہے اور عمومی غربت (آمدنی ۲ ڈالر یومیہ) تین چوتھائی (۷۵ فی صد) آبادی کا مقدر بن گئی ہے۔ آبادی کے تازہ ترین سروے کے مطابق ۲۵ فی صد آبادی غذائی قلت کا شکار ہے یعنی جسم و جان کے رشتے کو باقی رکھنے کے لیے جتنی خوراک درکار ہے وہ اس کو میسر نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ چاروں صوبوں میں بچے اپنی عمر کی مناسبت سے جوان کا وزن ہونا چاہیے اس سے کم وزن رکھتے ہیں۔ اس وقت ایسے بچوں کی تعداد ۲۸ فی صد تک پہنچ گئی ہے۔ قیمتوں کا حال یہ ہے کہ ان چار مہینوں میں پٹرول کی قیمت میں ۴۰ فی صد اضافہ ہوا ہے یعنی ۵۳ء۳۰ روپے فی لٹر سے بڑھ کر ۷۵ء۶۹ روپے فی لٹر ہوگئی ہے اور ۱۰ سے ۱۸ فی صد کے تازہ ترین اضافہ (۲۱ جولائی ۲۰۰۸ء) نے تو سب کی کمر بالکل ہی توڑ دی ہے۔ اب مٹی کا تیل ۵۷ء۹۳ روپے فی لٹر ہوگیا ہے اور ابھی بھی تیل کمپنیوں کے مطالبات میں کمی نہیں آئی ہے۔ تیل اور گیس کی اتھارٹی 'اوگرا' ھل من مزید پکار رہی ہے۔ ملک میں افراطِ زر کی شرح میں محیر العقول اضافہ ہو رہا ہے اور شماریات کے فیڈرل بیورو نے جو اعداد و شمار وسط جولائی میں جاری کیے ہیں ان کی رو سے ملک میں اس وقت افراطِ زر کی شرح گذشتہ ۳۰ سال میں سب سے زیادہ ہے یعنی گذشتہ سال کے مقابلے میں ۲۱ فی صد۔ اشیاے خوردنی کا اضافہ ۳۰ فی صد تک چلا گیا ہے۔

معاشی میدان میں افراطِ زر کے علاوہ دوسرے پہلوؤں سے زرداری گیلانی حکومت کی کارکردگی کا اندازہ مندرجہ ذیل حقائق سے کیا جاسکتا ہے:

● کپڑے کی صنعت جس کا حصّہ ملک کی برآمدات میں ۶۲ فی صد ہے اور جو ملک کے پورے صنعتی پیداواری نظام کا نصف حصّہ ہے، سخت بحران کا شکار ہے۔ کارخانے تیزی سے بند ہو رہے ہیں جس کے نتیجے میں بے روزگاری خوف ناک رفتار سے بڑھ رہی ہے۔

● پاکستان کی درآمدات ۴۰ ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہیں جب کہ برآمدات صرف ۱۹ء۵ بلین ڈالر ہیں جس کے نتیجے میں تجارت کا خسارہ اب ۲۰ ارب ڈالر سے متجاوز ہے۔ ادایگیوں کا توازن بھی اب ۱۰ ارب ڈالر سے زیادہ ہے۔ بیرونی ذخیرہ جات جو مارچ میں ۱۳ بلین ڈالر تھے اب ۱۰ بلین ڈالر کے لگ بھگ ہیں۔ اس طرح ۱۰۰ دن میں ۳ بلین ڈالر یعنی ۳۰ ملین ڈالر یومیہ کی کمی واقع ہوئی۔

● اسٹاک ایکسچینج کا حال بھی برا ہے جو انڈکس ۱۵ ہزار روپے پر تھا وہ اب ۱۰۴۰۰ تک گر چکا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان ۱۰۰ دنوں میں ملک میں کُل سرمایہ کاری کی مالیت ۴ء۶ ٹریلین روپے سے کم ہوکر ۳ء۶ ٹریلین پر آ گئی ہے۔ یعنی ان ۱۰۰ دنوں میں یومیہ ۱۰۰ ارب روپے کل حقیقی مالیت میں کمی ہوئی ہے۔

● ۱۰۰ دن پہلے پاکستان کے روپے کی قیمت ڈالر میں ۶۲ روپے تھی۔ اب اس میں ۱۸ فی صد کمی ہوئی ہے اور یہ ۷۳ روپے تک پہنچ گیا ہے۔

معیشت کے جس پہلو پر بھی نگاہ ڈالیں، حالات ابتر نظر آ رہے ہیں اور اس کی بڑی وجہ حکومت کی پالیسیوں میں شدید انتشار اور کسی سمت کا نہ ہونا ہے۔

۵- پانچواں بنیادی مسئلہ امن و امان کا فقدان اور پورے ملک میں جان، مال، آبرو کے تحفظ کی زبوں حالی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انتظامیہ کا کوئی وجود نہیں۔ بیوروکریسی میں بڑے پیمانے پر ردوبدل کیا گیا ہے جس کا مقصد میرٹ کے مقابلے میں اپنی پسند کے لوگوں کو اہم مقامات پر تعینات کرنا ہے۔ اخبارات نے خود وزیراعظم کے دفتر میں سابق نیب زدہ افراد کے ذمہ داریاں سنبھالنے اور چٹ پٹ ترقیوں کی داستانیں شائع کی ہیں۔ یہ رجحان کسی بھی ملک کے لیے نہایت خطرناک

ہے اور پاکستان جن حالات سے گزر رہا ہے ان میں تو یہ تباہی کا راستہ ہے۔ لاپتا افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور عوام حقوق کی حفاظت اور انصاف کے حصول دونوں کے بارے میں مایوس ہو رہے ہیں۔ دولت کی عدم مساوات میں محیرالعقول اضافے نے حالات کو اور بھی ابتر کر دیا ہے۔ لوگ اصلاح کے مقابلے میں انقلاب کی باتیں کرنے لگے ہیں۔

۶- چھٹا اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہر سطح پر اصحابِ ثروت اور اربابِ اقتدار اپنے وسائل سے زیادہ خرچ کر رہے ہیں۔ بجٹ کا خسارہ آسمان سے باتیں کر رہا ہے اور قرض کے پہاڑ ہمالہ سے بھی زیادہ بلند ہوگئے ہیں۔ کفایت شعاری اور سادگی کی صرف باتیں ہوتی ہیں، ان پر عمل کی طرف کوئی پیش رفت نہیں۔ وزیراعظم صاحب نے اپنے پہلے خطاب میں اپنے اخراجات کو ۴۰ فی صد کم کرنے کا اعلان کیا تھا جو بجٹ کے آتے آتے ۳۰ فی صد تک سکڑ گیا لیکن عملاً ٹھاٹ باٹ کا مظاہرہ جاری ہے اور دیکھا جائے تو اس میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ وزارتِ عظمیٰ کے حلف کے بعد اسی رات وزیراعظم صاحب کے صاحبزادے کی شادی کی جو تفصیلات اخبارات میں شائع ہوئی ہیں وہ کفایت شعاری کے دعووں کا مذاق اڑانے کے مترادف ہیں۔ وزیراعظم صاحب عمرہ کے لیے گئے تو اس میں ۸۶ افراد سرکاری خرچ پر ان کے شریکِ سفر نظر آئے اور سفر کے اخراجات ۱۰ کروڑ سے زائد بیان کیے جارہے ہیں۔ ملایشیا ڈی-۸ کی کانفرنس میں تشریف لے گئے تو اطلاع ہے کہ ان کے وفد میں ۴۰ سے زیادہ افراد تھے، جب کہ وفد سے پہلے سیکورٹی کے نام پر ۵۰ افراد ملایشیا بھیجے گئے۔ پھر زرداری صاحب سے مشورے کے لیے وزیراعظم صاحب کو الالمپور سے سیدھے دبئی تشریف لے گئے اور ۴۰ کا ٹولہ ان کے ساتھ رہا ہے۔ جہاز اور قیام کے اخراجات پھر ۱۰ کروڑ سے متجاوز بتائے جارہے ہیں۔ وزیراعظم تو ایک ہے مگر اطلاع یہ ہے کہ چار افراد کو وزیراعظم کا پروٹوکول فراہم کیا جارہا ہے۔ ایک طرف عوام فاقوں کا شکار ہیں، خودکشیوں کی نوبت آرہی ہے، مائیں اپنے بچوں کو بیچنے اور ایدھی سینٹروں پر چھوڑ جانے پر مجبور ہورہی ہیں اور دوسری طرف یہ اللّے تللّے ہیں۔ کوئی سوچنے کی زحمت نہیں کرتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

وزیراعظم صاحب نے بڑے طمطراق سے جو اعلانات کیے تھے ان کی طرف پیش رفت کا کوئی ثبوت ان ۱۰۰ دنوں میں نظر نہیں آرہا۔ ارشاد ہوا تھا کہ ایف سی آر ختم کیا جارہا ہے، آج تک

اس سلسلے میں کوئی متبادل قانون پارلیمنٹ کے سامنے نہیں آیا۔ اعلان کیا گیا تھا کہ ۲۰۰۲ء کا بدنامِ زمانہ انڈسٹریل آر آئی ختم کیا جا رہا ہے مگر وہ آج بھی کتاب قانون کا حصہ ہے اور نئے قانون کا کوئی مسودہ قوم کے اور پارلیمنٹ کے سامنے نہیں آیا۔ دعویٰ کیا گیا تھا کہ دو تاریخی کمیشن بنائے جا رہے ہیں یعنی ایک روزگار کمیشن اور دوسرا جنوبی افریقہ کی طرز پر truth and reconciliation commission (سچائی اور مفاہمتی کمیشن)، لیکن ۱۰۰ دن گزرنے کے بعد بھی ان کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی گئی۔

مزدوروں کی یونینوں اور طلبہ کی یونینوں سے پابندی اٹھانے کا اعلان ہوا تھا اور اس سلسلے میں کچھ آزادیاں اور مواقع مزدوروں اور طلبہ نے غالباً اپنے دست و بازو سے حاصل بھی کر لیے ہیں مگر اس سلسلے میں جو قانون سازی ہونی چاہیے تھی اور جو مثبت متبادل نظام قوم کے سامنے آنا چاہیے تھا، وہ ابھی تک پردۂ غیب ہی میں ہے۔ ۱۰۰ دن کے پروگرام کے بیش تر اعلانات حقیقت کا روپ دھارنے میں ناکام رہے اور اس کی بڑی وجہ پارلیمنٹ کی حسب سابق بے بسی، قانون سازی کا فقدان، عدلیہ کی عدم بحالی، خارجہ اور داخلہ پالیسیوں کی تشکیلِ نو کے باب میں مجرمانہ کوتاہی، حکومت کا بے سمت ہونا اور امریکی دباؤ میں بیرونی ایجنڈے کی مشرف دور کی طرح تعمیل اور تکمیل ہے۔ یہ صورت حال حکومت پر عوام کے اعتماد کو بری طرح مجروح کرنے اور امید کی جو کرن رونما ہوئی تھی اس کے تاریکیوں میں دم توڑنے کا باعث ہوئی۔

اس پورے ناکام تجربے کی بڑی وجہ سیاسی قیادت، خصوصیت سے پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت کا کردار ہے۔ اب لوگ کھلے بندوں یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ جس پارٹی میں خود اپنے دستور، ضابطوں اور جمہوری روایات کا احترام نہ ہو وہ ملک کو دستور کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی کیسے دے سکتی ہے۔ جناب زرداری صاحب نے جس ڈرامائی انداز میں محترمہ کی شہادت کے بعد اقتدار سنبھالا، اس کے بارے میں چبھتے ہوئے سوالات اُٹھائے جا رہے ہیں۔ جنرل اسلم بیگ نے محترمہ کی آخری کتاب اور دوسری تقاریر کے حوالوں سے وصیت کے قابلِ اعتماد ہونے کو چیلنج کیا ہے۔ زرداری صاحب نے خود سندھ ہائی کورٹ میں محترمہ کی وراثت کے سلسلے میں جو پٹیشن دائر کی ہے وہ ان کے حسابات اور دوسرے اثاثوں کے بارے میں وصیت کی عدم موجودگی کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اپنے اتنے اہم معاملات کے بارے میں وہ کوئی وصیّت نہیں کرسکیں تو پارٹی کے معاملات کے بارے میں وصیت کیسے کردی۔ وصیت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تب بھی اس کے صحیح مفہوم کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں۔ اس سلسلے میں جناب ارشاد احمد حقانی نے بڑے بنیادی سوالات اٹھائے ہیں اور ایک وقتی انتظام کو جس کا مقصد صرف عبوری (transition) تھا، مستقل انتظام کی شکل دینے پر بھرپور گرفت کی ہے۔ ۱۰۰ دن کی حکمرانی کے پس منظر میں پی پی پی (زرداری) کے بارے میں دی نیشن کی ایک کالم نگار نے بڑے چبھتے ہوئے سوالات اٹھائے ہیں جن کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا ارشاد ہے:

> پیپلز پارٹی (زرداری) کے پاس، جسے قسمت کی ایک بے رحم گردش اقتدار میں لے آئی ہے، حکمرانی کے دائرے میں پیش کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ پارٹی اور اسی طرح یہ ملک ایک غیرمنتخب شخص چلا رہا ہے جو بے نظیر بھٹو کا سابقہ شوہر ہے، جس کا واحد مقصد یہ ہے کہ پُرفریب این آر او استعمال کرکے، جو امریکا اور صدر مشرف نے قوم پر مسلط کردیا ہے، عدالتوں سے بریت حاصل کرلے۔ آصف زرداری اپنے وکیل کے ذریعے گذشتہ ہفتے اپنی مرحومہ بیوی کے اثاثوں کے لیے وراثت کی درخواست جمع کرا رہے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ بے نظیر بھٹو بلاوصیت انتقال کرگئیں اور ان کا کوئی وصیت نامہ ہر طرح کی تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ یہ بڑی دل چسپ بات ہے، اس لیے کہ اپنی بیوی کے مرنے کے تیسرے روز زرداری نے ہمارے سامنے کاغذ کا ایک ٹکڑا لہرایا تھا اور بتایا تھا کہ یہ ان کا وصیت نامہ ہے، اور یہ بھی بتایا تھا کہ یہ کئی صفحات پر مشتمل ہے جو عوام کے سامنے نہیں لائے جاسکتے کیوں کہ اس میں ان کے ذاتی معاملات کا ذکر ہے۔
> (۱۳ جولائی ۲۰۰۸ء)

ہمارے اور دوسرے اہلِ قلم کے تجزیوں کا حاصل یہ ہے کہ زرداری گیلانی حکومت نے یہ ۱۰۰ دن ضائع کیے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ۱۸ فروری کے مینڈیٹ کی روشنی میں حقیقی اور بااختیار قومی حکومت وجود میں نہ آسکی۔ زرداری صاحب نے محترمہ کی وصیت کا سہارا لے کر پیپلز پارٹی پر قبضہ کرلیا اور رحمٰن ملک اور ایسے ہی دوسرے غیرنمایندہ افراد کے ذریعے زرداری

صاحب اور مشرف میں جو در پردہ معاہدہ ہوا تھا اور جس کے ایک پہلو کا تعلق این آر او کے تحت خود زرداری صاحب، پی پی پی، ایم کیو ایم کے قائدین اور کارکنوں اور دوسرے سیاسی عناصر اور سول اور فوجی بیوروکریسی کے متعلقہ افراد کو احتساب اور قانونی چارہ جوئی کا سامنا تھا ان کے کرپشن کے الزامات کو کسی غیر جانب دار تحقیق و تفتیش اور عدالتی عمل کے بغیر واپس لے کر امریکا اور برطانیہ کے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت ملک پر نئی سول قیادت مسلط کی گئی۔ اس قیادت نے، خاص طور پر ان افراد نے جن کے ہاتھوں میں اصل ڈور ہے، حقیقی مسائل کو پس پشت ڈال کر صرف اپنے اقتدار اور گرفت کو مضبوط کرنے، مشرف صاحب کو نئی زندگی دینے، اور امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھانے پر ساری توجہات صرف کیں۔ پرویز مشرف اصل مسئلہ ہیں، ان سے نجات کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ عدلیہ کی بحالی کو مذاق بنا کر اُلجھا دیا گیا۔ معاشی مسائل کے حل اور امن و امان کے قیام پر قرار واقعی توجہ نہ دی گئی، امریکا کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنی جنگ قرار دے کر حالات کو اور بھی الجھا دیا گیا۔

جو تاریخی موقع حاصل ہوا تھا اسے بڑی بے دردی سے ضائع کر دیا گیا ہے۔ یہ جمہوری عمل کی ناکامی نہیں، ایک سیاسی گروہ کی ناکامی ہے جس نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر جمہوری عمل کو ایک طرح یرغمال بنالیا اور ۱۸ فروری کے مینڈیٹ کو پس پشت ڈال کر ایک دوسرے ہی ایجنڈے پر کام شروع کر دیا۔ یہ امریکا مشرف زرداری حکمت عملی ہے جس نے ۲۰۰۷ء کی قربانیوں اور ۱۸ فروری کے انتخابی نتائج کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کھیل اب بالکل کھل کر سب کے سامنے آ گیا ہے۔ ملک اور ملک سے باہر حالات پر گہری نظر رکھنے والے افراد اس کھیل کا پردہ چاک کر رہے ہیں اور خود پیپلز پارٹی کے وہ قائد جنھوں نے گذشتہ دس بارہ سال پارٹی کو زندہ رکھنے اور آمریت کے ہر وار کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی اب کھل کر میدان میں آ رہے ہیں۔ اس پس منظر میں یہ ۱۰۰ دن ایک water-shed کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور قوم آج اپنے آپ کو ایک بہت بڑے امتحان میں پاتی ہے___ اس امر کا خطرہ ہے کہ ذاتی اور گروہی مفادات کے علَم بردار جو اصل جمہوری عمل کو ہائی جیک کرنے کا کھیل کھیل رہے ہیں، آمریت اور بیرونی قوتوں کی بالادستی کی تاریک رات مسلط کرنے کے لیے کسی حد کو بھی پار کر جائیں۔ نیز آمریت کے کارندے اور

ایجنسیوں کے دست و بازو ا سے جمہوریت کی ناکامی کا رنگ دے کر پرانے کھلاڑیوں یا نئے طالع آزماؤں کے لیے فضا سازگار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کراچی کی ایک خاص رنگ کی تجارتی کمیونٹی میں گورنر سندھ اور ناظم کراچی کی بیساکھیوں پر کل کے آمر پھر کسی نئے کردار کی تلاش میں ہیں۔ یہ سارے خطرات اُفق پر منڈلا رہے ہیں لیکن یہ وقت ٹھنڈے غور وخوض اور حقائق کے صحیح ادراک پر مبنی حکمت عملی کی تشکیل کا ہے۔

۲۰۰۷ء میں عدلیہ کی بحالی اور جمہوری حقوق کے حصول کے لیے جو جدوجہد وکلا برادری، سول سوسائٹی اور سیاسی کارکنوں نے شروع کی تھی آج اس تحریک کو ان نئے خطرات سے بچا کر دوبارہ حقیقی جمہوری عمل کے حصول، دستور کی بالادستی، عدلیہ کی بحالی، قانون کی حکمرانی، آمریت سے ہمیشہ کے لیے نجات، فوج کو سیاست کی آلودگیوں سے مکمل طور پر پاک رکھنے، اور ملک کی قسمت کا فیصلہ ملک کے اندر اور اس کے حقیقی خادموں کے ذریعے انجام دینے کے نظام کے استحکام کے لیے فیصلہ کن جدوجہد ہے۔ گذشتہ ۱۰۰ دن اس تحریک کا تسلسل نہیں، اس سے انحراف اور ماقبل کی پالیسیوں کے نئے روپ میں اور نئے کرداروں کے ذریعے تسلسل کا زمانہ رہا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ایک بار پھر تمام جمہوری قوتیں اور حق، انصاف اور قانون کی پاسداری کے تمام علَم بردار بے لوث انداز میں منظم جدوجہد کریں اور جمہوری عمل کے ہائی جیکنگ کے اس اقدام کو ناکام بنادیں۔ وکلا برادری اور اے پی ڈی ایم نے انتخابات سے پہلے جس بالغ نظری کا مظاہرہ کیا تھا، اب ضرورت ہے کہ تمام جمہوری قوتوں کو ساتھ ملا کر اسی طرح ایک مؤثر تحریک کا اہتمام کیا جائے۔ یہ کام کسی جذباتی رو میں انجام نہیں دیا جاسکتا لیکن حالات جس مقام پر پہنچ گئے ہیں اور جو خطرات اب سامنے منڈلا رہے ہیں ان کی موجودگی میں غفلت یا کوتاہی بڑی خطرناک ہوسکتی ہے۔ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل، کوئی اگر دفتر میں ہے

65

داعیانہ کردار مؤثر کیوں کر ہو!

کیا وجہ ہے کہ بعض افراد دعوتی لحاظ سے زیادہ کامیاب ہیں اور بعض کم ــــ؟ بعض کا کام مؤثر ہوتا ہے خواہ تھوڑا ہو اور بعض کا اتنا مؤثر نہیں ہوتا خواہ زیادہ ہو ــــ؟ دعوت کا کام انفرادی و اجتماعی سطح پر استوار ہوتا ہے۔ شخصیات اور تنظیمات دونوں میں قدر مشترک داعیانہ کردار ہے۔ اس کردار کی جڑیں اگر مضبوط ہوں تو دعوت کا کام شجر سایہ دار کی طرح پھیلتا ہے۔ اس کے لیے چار خصوصیات کو تلاش کرنا اور پروان چڑھانا چاہیے:

- **ذاتی انہماک**: بعض افراد از خود متحرک ہوتے ہیں۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔ کسی منزل کا تعین کر لیتے ہیں اور پھر اس کے لیے کوشش کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا انفرادی کام بھی ایک بڑی تبدیلی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ وہ دوسروں کو دیکھنے کے بجائے اپنے آپ کو جواب دہی کے لیے تیار رکھتے ہیں ــــ ایسے افراد عمل پسند ہوتے ہیں اور ان کا کام اثر پذیر ہوتا ہے۔
- **بصیرت و علم**: بعض افراد فکری و علمی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کا ذہن اس دعوت کی حقیقت کو اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ جانتا ہے۔ وہ فکری میدان میں رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں، حق ان کے بیان سے آشکار ہوتا ہے، استدلال اور بلاغت کے ذریعے وہ اذہان و قلوب کو متاثر کر لیتے ہیں۔ باطل کا فسوں جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔
- **انسان دوست مزاج**: بعض افراد دوسروں لوگوں کے درمیان ہی رہتے ہیں۔ وہ اعلیٰ اخلاق کے ذریعے دشمنوں کو بھی ہموار کر لیتے ہیں۔ چھوٹا ہو یا بڑا، اپنا ہو یا پرایا، عام ملاقاتی ہو یا قریبی ساتھی، اور کوئی کسی حالت میں ہو، خوشی ہو یا غم، مشکل ہو یا آسانی، وہ ہر موقع پر، ہر سطح پر، ہر صورت میں رابطہ بنانا، تعلق استوار کرنا اور اُس کو دعوت کے لیے استعمال کرنا جانتے ہیں۔
- **انتظامی صلاحیت**: بعض افراد تنظیمی سطح پر منصوبہ سازی کے ذریعے اہداف متعین کر کے آگے بڑھنا جانتے ہیں۔ ان میں قیادت، فیصلہ سازی، معاملہ فہمی، وغیرہ کی اہلیت موجود ہوتی ہے ــــ وہ تنظیمی و اجتماعی قوت کو بروے کار لا کر بڑے مقاصد، اعلیٰ اہداف کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہر فرد دعوت کو آگے بڑھانے کے لیے داعیانہ کردار ان خصوصیات کے تناظر میں تشکیل دے۔

سنابل العلم

امریکی حملے کا اندیشہ

پروفیسر محمد ابراہیم°

اس وقت پوری قوم افغانستان کی سرحد کے ساتھ ملحق قبائلی علاقے میں امریکا کی قیادت میں اتحادی افواج کی طرف سے فوج کشی کے خطرات اور خدشات کے شدید احساس سے دوچار ہے۔ عالمی رائے عامہ اور امریکی عوام و خواص کی توجہ بھی اسی طرف ہے۔ اس ضمن میں بنیادی طور پر دو سوالات ابھر رہے ہیں۔ پہلا یہ کہ امریکی حملے کا امکان کتنا ہے؟ دوسرا یہ کہ اس حملے کا ممکنہ نتیجہ کیا ہوگا؟ لیکن ان دونوں سوالات سے اہم تر سوال یہ ہے کہ اس طرح کے حالات کیوں کر پیدا ہوئے؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ باوجودیکہ افغانستان کے ساتھ ہمارے تعلقات میں کبھی بھی گرم جوشی نہیں پائی گئی، افغانستان کے ساتھ پاکستان کی سرحد ہمیشہ محفوظ رہی ہے۔ شمال مغربی سرحد کے اس تحفظ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر بسنے والے قبائل جیسا کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا، پاکستان کے بازوے شمشیرزن ہیں۔ قائداعظم نے شمالی وزیرستان میں حاجی میرزالی خان المعروف فقیر آف اے پی کی زیرقیادت مجاہدین کے خلاف ۱۱ سال سے جاری انگریز کے فوجی آپریشن کو روک کر سارے قبائلی علاقہ جات سے پاک فوج کو واپس بلا لیا تھا اور یہ اعلان کیا تھا کہ اس سرحد کی حفاظت ہمارے آزاد قبائل کریں گے۔ یہ اس ملک کے لیے ایک لمیے سے کم نہیں ہے کہ ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد ہمارے فوجی حکمران امریکی دباؤ میں

° سینیٹر، نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان

آ گئے اور افغانستان پر حملہ آور ہونے کے لیے امریکا کو پاکستان کی فضا، ہوائی اڈے، انٹیلی جنس معلومات اور لاجسٹک تعاون فراہم کیا۔ اسی وجہ سے امریکا کے لیے افغانستان پر حملہ ممکن ہوا، افغانستان کے شمالی اتحاد کے تعاون سے طالبان کی حکومت کو ختم کیا گیا اور اتحادی فوج امریکی قیادت میں افغانستان کی سرزمین پر اُتری۔ اسی وقت سے ہماری شمال مغربی سرحد پر امریکی حملے کا خطرہ پیدا ہوا۔

پرویز مشرف کی قیادت میں فوجی حکم رانوں نے اس سنگین جرم کا ارتکاب بھی کیا ہے کہ امریکی خوشنودی کی خاطر پاکستان کے شمال مغربی سرحد کے محافظ آزاد قبائل پر پاکستانی فوج کو حملہ آور کر دیا۔ ۲۰۰۴ء میں جنوبی وزیرستان، وانا سے اس کا آغاز ہوا۔ ۲۰۰۶ء میں شمالی وزیرستان کے اندر میر علی اور میران شاہ پر فوج کشی کی گئی۔ باجوڑ اور مہمند ایجنسی میں کئی واقعات ہوئے۔ اس دوران امریکا نے ہماری سرحد کی بیسیوں خلاف ورزیاں کر ڈالیں اور ہمارے سیکڑوں قبائلی عوام بوڑھے، بچے اور خواتین شہید کر دیے۔

قبائل کے خلاف فوجی آپریشن کے لیے یہ بہانہ بنایا گیا کہ یہاں غیر ملکی جنگجو موجود ہیں جو ہماری سرزمین کو جنگی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں جنوبی وزیرستان کے قصبہ شکئی میں پاک فوج اور قبائل کا معاہدہ ہوا جس پر کمانڈر نیک محمد اور پشاور کے کور کمانڈر نے دستخط کیے اور اس کے بعد وہ بغل گیر ہوئے۔ یہ معاہدہ امریکا کو ناقابلِ قبول تھا اس لیے اس کو توڑا گیا اور امریکی میزائل حملے میں کمانڈر نیک محمد کو شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد میران شاہ میں باقاعدہ معاہدہ ہوا لیکن اس کو بھی سبوتاژ کیا گیا۔ جنوری ۲۰۰۶ء میں باجوڑ میں اسی طرح کا معاہدہ ہونے والا تھا کہ ایک دن قبل چینہ گئی (باجوڑ ایجنسی) میں ایک مدرسے پر میزائل حملہ کر کے حفظ القرآن کے ۸۳ معصوم بچوں اور ان کے اساتذہ کو شہید کر دیا گیا۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ قبائل غیر ملکیوں کو پُرامن رہنے کی ضمانت دینے کے لیے ہر لحاظ سے آمادہ اور تیار ہیں اور اس مقصد کے لیے قبائل اور حکومتِ پاکستان کے درمیان دو معاہدوں پر باقاعدہ دستخط ہو گئے اور کئی معاہدے دستخط کے لیے تیار تھے۔ لیکن امریکی دباؤ میں آکر پرویز مشرف نے اپنی فوج کو اپنے قبائلی عوام کے خلاف صف آرا کر دیا۔ اس جنگ میں، حکومت کچھ بھی اعلانات کرے، فوج نے قبائل سے شکست

کھائی ہے۔ دونوں جانب نقصان ہمارا ہی ہوا ہے۔

اس عرصے میں ضلع ہنگو اور کرم ایجنسی میں شیعہ سُنّی فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہے اور خیبر ایجنسی کی تحصیل باڑہ میں دیوبندی اور بریلوی کی بنیاد پر لشکرِ اسلام اور انصار الاسلام کے درمیان لڑائی چھیڑ دی گئی جس میں ہزاروں کی تعداد میں عوام جاں بحق ہو چکے ہیں۔ ان فسادات کی تہہ تک پہنچنا نہایت مشکل ہے۔ البتہ چند شواہد کی بنیاد پر کچھ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ ہماری حکومت بھارتی خفیہ ایجنسی را (RAW) اور جلال آباد میں بھارتی قونصل خانے کو موردِ الزام ٹھیرا رہی ہے جس میں کافی حد تک صداقت ہے۔ سوال یہ ہے کہ بھارت جب ہمارے خلاف یہ کارروائیاں کر رہا ہے تو ہماری حکومت کو اس کے ساتھ دوستی، تجارت اور مذاکرات کا اتنا شوق کیوں ہو رہا ہے کہ ہمارے نئے حکمران کشمیر کو فراموش کرنے کے عندیے دے رہے ہیں۔

اس سارے مسئلے میں ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمارے حکمران جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کرنے کے بجاے، خوف زدہ ہو کر بھارت اور امریکا کو اپنا دوست قرار دے رہے ہیں، جب کہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دشمنی ہماری طرف سے نہیں، اُن کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اگر ہم کسی وجہ سے دشمن کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں تو اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کے لیے مناسب حکمتِ عملی اختیار کی جاسکتی ہے لیکن اگر دشمن کو دوست قرار دیا جائے تو اس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

شمال مغربی سرحد پر امریکی حملے کے امکان کو کلیتاً مسترد نہیں کیا جاسکتا لیکن اس حملے کے مقابلے کی زیادہ سے زیادہ تیاری کا مظاہرہ کر کے اس کے امکان کو کم سے کم بھی کیا جاسکتا ہے اور حملہ ہو جانے کی صورت میں اس کا مؤثر مقابلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر امریکا یہ جانتا ہو کہ پاکستانی فوج اپنی سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ ادا کرے گی تو وہ ہرگز حملے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس کے ایک دن میں ۹ فوجی مر گئے تو امریکہ ہل گیا۔ اگر ہماری فوج سو ڈیڑھ سو باڈی بیگ بھی امریکا روانہ کرنے کا داعیہ رکھتی ہو، تو امریکی ہمیں آنکھیں نہیں دکھا سکتے۔ اب تو ہر دوسرے تیسرے روز ایک دوسرے تیسرے درجے کا اہلکار ہمیں دھمکیاں دے کر بے عزت کر جاتا ہے۔ مگر ہمارے وزرا جی حضور ہی کہتے رہ جاتے ہیں۔ ہماری، پاکستان کی، اس کے عوام کی بدقسمتی یہ ہے کہ جس فوج کو

عوام نے پیٹ کاٹ کر مسلح کیا ہے، وہ حب الوطنی کے تقاضے پورے کرنے کے بجائے سرحدوں کی حفاظت کی اصل فریضے سے دست کش ہوگئی ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ منتخب جمہوری حکومت کو معاملات سنبھالنے کا جو زرّیں موقع ملا تھا وہ اس نے کھو دیا ہے اور حسب سابق پرویز مشرف کی پالیسیوں کا تسلسل جاری ہے۔ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کو وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی اور وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی اپنی جنگ قرار دے کر امریکا کی حمایت جاری رکھنے کا اعلان کر رہے ہیں اور حد یہ ہے کہ اس کے لیے پارلیمنٹ سے منظوری یا اختیار کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں اور آمرانہ دور ہو یا جمہوری تماشا، پالیسیاں امریکا بنا رہا ہے، اور اس کے آلۂ کار انھیں نافذ کر رہے ہیں۔

اس وقت جو خطرات ہمارے اوپر منڈلا رہے ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حکومت تمام قبائلی علاقہ جات میں فوجی آپریشن کو ختم کرنے کا اعلان کر کے فوج کو وہاں سے واپس بلائے۔ قبائل کے منتخب ممبرانِ پارلیمنٹ اور دیگر عمائدین اور قبائل کے علمائے کرام کے ذریعے قبائلی علاقہ جات کے انتظام و انصرام کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

افغانستان اور قبائلی علاقے میں بیرونی مداخلت اور اس کے نتیجے میں جنگ کے ممکنہ حتمی نتیجے کے بارے میں وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ بیرونی مداخلت کار اس علاقے میں کسی جنگ میں پوری تاریخ میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکے ہیں، اور اب بھی اگر امریکا نے افغانستان کے بعد پاکستان کے قبائل پر جنگ کو مسلط کیا تو امریکا نہ صرف قبائل میں، بلکہ افغانستان میں بھی بدترین شکست سے دوچار ہوگا۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے!

قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد

......عموماً سب مسائل کو لپیٹ کر صرف ایک بڑا مسئلہ ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس کا عنوان ہے: 'پاکستان کا دفاع اور استحکام'۔ اور اس کا حل یہ پیش کیا جاتا ہے کہ سب پاکستانی مل کر ایک ہو جائیں اور فوجی حیثیت سے مضبوط ہوں۔ لیکن تھوڑا سا تجزیہ کرنے ہی پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ پاکستان کا دفاع و استحکام کوئی ایک سادہ سا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت سے مسائل کا مجموعہ ہے، اور اس کا حل بھی اُتنا سادہ نہیں ہے جتنا اسے سمجھ لیا گیا ہے۔ کیا ایک ملک جس کے اخلاق کو گھن لگا ہوا ہو، محض اسلحے اور فوجی تربیت کے بل پر کھڑا ہو سکتا ہے؟

کیا ایک ملک جس کے عناصرِ ترکیبی کو ایک دوسرے سے پھاڑنے اور باہم متصادم کرنے کے لیے بہت سے طاقت ور اسباب موجود ہوں بس 'ایک ہو جاؤ' کی تسبیحیں پڑھنے سے واقعی ایک ہو سکتا ہے؟ پس بجائے اس کے کہ ہم سادگی اور سادہ لوحی سے خود کام لیں یا دوسروں کو سادہ لوح فرض کر کے ان کی توجہ حقیقی مسائل سے ہٹانے اور فرضی مسائل کی طرف پھیرنے کی کوشش کریں، ہمیں واضح طور پر یہ دیکھنا چاہیے کہ فی الواقع پاکستان کی بقا و تحفظ اور اس کا استحکام کن مسائل سے وابستہ ہے اور ہم کس طرح انھیں حاصل کر سکتے ہیں۔

● **اخلاقی انحطاط:** اولین مسئلہ ملک کے اخلاق کا ہے جو تشویش ناک حد تک گر چکے ہیں۔ ہماری تمام مشکلات میں سب سے زیادہ اخلاق ہی کی خرابیاں کارفرما ہیں۔ اس بگاڑ کا زہر اتنے وسیع پیمانے پر ہماری سوسائٹی میں پھیل گیا ہے اور اتنا گہرا اُتر چکا ہے کہ اگر ہم اسے اپنا قومی دشمن نمبر ایک قرار دیں تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ کوئی بیرونی خطرہ ہمارے لیے اتنا خوف ناک نہیں ہے جتنا یہ اندرونی خطرہ ہے۔ یہ ہماری قوتِ حیات کو کھا گیا ہے اور کھائے چلا جا رہا ہے...

یہ حقیقت اب کھل چکی ہے کہ ہمارے اخلاق کے جوڑ بند بُری طرح ڈھیلے ہوگئے ہیں۔ ہم میں ہزارہا آدمی ایسے موجود ہیں جو قتل و خون کے مشاق ہو چکے ہیں، ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو موقع ملنے پر بد سے بدتر جرائم کا ارتکاب کرسکتے ہیں، اور نیچے سے لے کر اُونچے طبقوں تک کم از کم ۹۵ فی صد تعداد ان لوگوں کی ہے جنھیں حرام کا مال سمیٹنے میں قطعاً کوئی تامل نہیں ہے بشرطیکہ انھیں قانون کی گرفت سے محفوظ رہنے کا اطمینان ہو۔

ان حالات میں ہمارے لیے یہ کوئی وجہِ تسلی نہیں ہے کہ اس سے بدرجہا زیادہ بدتر اخلاقی صفات کا ظہور [گذشتہ برس] ہندستان میں ہندوؤں اور سکھوں سے ہوا ہے۔ جو زہر انھوں نے کھایا اس کی فکر انھیں ہو یا نہ ہو، ہمیں تو اُس زہر کی فکر ہے جو ہماری رگوں میں اُتر گیا ہے۔ کیا مشاق مجرموں اور بے باک خائنوں کی اتنی کثیر تعداد اپنے اندر لیے ہوئے ہم اپنی قومی زندگی کو مستحکم بنا سکتے ہیں؟ کیا وہ بداخلاقیاں جو کل غیروں کی جان، مال اور عصمت کے معاملے میں برتی گئی تھیں، ان کے ساتھ ہی ختم ہوگئیں اور اپنا کوئی پایدار اثر ہماری سیرت و کردار پر نہیں چھوڑ گئیں؟ کیا یہ بگڑے ہوئے اخلاق اب خود اپنوں پر ہاتھ صاف کرنے سے رُک جائیں گے؟

ایک سال کا تجربہ ہمیں بتا رہا ہے کہ جس اخلاقی زوال کی خبر گذشتہ فسادات نے دی تھی وہ وقتی اور محدود نہ تھا۔ دراصل وہ ایک نہایت خوفناک مرض کی حیثیت سے ہمارے اندر اب بھی موجود ہے اور ہماری قومی زندگی کے ہر شعبے کو خراب کر رہا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد جو دشواریاں فطرتاً ایک نئی مملکت کو پیش آیا کرتی ہیں وہ تو ہمیں پیش آنی ہی تھیں، اور جو مصائب انگریز، ہندو اور سکھ کی باہمی سازش سے ہم پر نازل ہوئے وہ بھی اپنی جگہ تھے، لیکن یہ سب کچھ بڑی آسانی سے انگیز کیا جاسکتا تھا۔ اگر ہمارے عوام و خواص اور ہمارے سربراہ کاروں کے اخلاق اتنے بگڑے ہوئے نہ ہوتے۔ یہ واقعہ ہے، اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ اخلاق کی خرابیوں نے ہماری مشکلات اور مصیبتوں کو، جتنی کہ وہ تھیں، اصل سے کئی گنا زیادہ بڑھا دیا۔

مثال کے طور پر 'مہاجرین' کے مسئلے کو لیجیے جو پاکستان بنتے ہی ایک پہاڑ کی طرح ہم پر نازل ہوا۔ بلاشبہہ ایک ملک کے لیے اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں کہ اس پر ۶۰، ۷۰ لاکھ بے سروسامان آدمی یک لخت لاکر ڈال دیے جائیں۔ لیکن غور سے دیکھیے کہ اس طرح جو مشکلات

حقیقتاً رونما ہوئی تھیں ان پر کتنا اضافہ ہماری اپنی اخلاقی خرابیوں نے کر دیا۔[1] ہندوؤں اور سکھوں نے جو عمارات، سامان، اموال، دکانیں، کارخانے، زمینیں اور دوسری چیزیں پاکستان میں چھوڑی تھیں، اگر ان پر خود پاکستان کے باشندے، حکومت کے عُمّال اور قومی کارکن قبضے کر کے نہ بیٹھ جاتے تو کیا مہاجرین کو بسانے میں ہم کو وہی دقتیں پیش آسکتی تھیں جن سے اب ہم دوچار ہیں؟ مغربی پنجاب اور سرحد اور سندھ کی حکومتوں سے پوچھیے کہ جانے والوں نے کیا کچھ چھوڑا تھا، اور اس کا کتنا حصّہ آنے والوں کو دیا گیا اور کتنا حصّہ کن کن غیر مستحقین کو پہنچا؟ اگر یہ اعداد وشمار روشنی میں آجائیں تو دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ جائے کہ مہاجرین کے مسئلے کا جو زخم غیروں نے ہم کو لگایا تھا اسے سرطان کا پھوڑا بنا دینے والے دراصل کون لوگ ہیں۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اس حمام میں آپ کس کس کو برہنہ دیکھیں گے۔

پھر جو لوگ کل تک 'پاکستان زندہ باد' کے نعرے لگا رہے تھے، جن سے بڑھ کر قوم کے درد میں تڑپنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا...... ان میں عظیم الشان اکثریت آپ کو ایسے افراد کی نظر آئے گی جو پاکستان بننے کے بعد ہر زاویے سے اس کی کشتی میں سوراخ کیے جا رہے ہیں۔ یہ رشوت خوریاں، یہ خیانتیں، یہ غبن، یہ قومی خرچ پر اقربا پروریاں اور دوست نوازیاں، یہ فرائض سے غفلت، یہ ڈسپلن سے گریز، یہ غریب قوم کی دولت پر عیاشیاں، جن کا ایک طوفان سا ہمارے نظامِ حکومت کے لیے

۱- آخری اعداد وشمار کی رُو سے پاکستان میں پناہ لینے والوں کی مجموعی تعداد ۹۰ لاکھ تھی، لیکن ان کو بسانے میں جو کمالات دکھائے گئے ان کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی رُو سے سندھ چھوڑ کر جانے والے غیر مسلموں کی تعداد ۹ لاکھ تھی، مگر ہندستان چھوڑ کر آنے والے ۵ لاکھ ۴۰ ہزار مسلمان وہاں بسائے گئے اور سرحد سے جانے والے غیر مسلم ۲ لاکھ ۹۶ ہزار تھے، مگر ہندستان سے آنے والے صرف ۵۱ ہزار مسلمانوں کو وہاں بسایا گیا۔ مہاجرین کو آباد کرنے کا مسئلہ سالہا سال سے پاکستان کے لیے دردِ سر بنا ہوا ہے اور اِس وقت تک بھی اسے پوری طرح حل نہیں کیا جاسکا ہے۔ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی جرمنی پر جرمن پناہ گزینوں کا ایک سیلاب ٹوٹ پڑا، حتیٰ کہ جون ۱۹۶۱ء تک بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد ایک کروڑ ۲۵ لاکھ تک پہنچ گئی، اور یہ اس حال میں ہوا کہ مغربی جرمنی سے جانے والا کوئی نہ تھا، جو اپنی جایداد خالی چھوڑ گیا ہو۔ اس کے باوجود جرمنوں نے پناہ گزینوں کو بڑی خوبی سے بسایا بھی اور کام پر بھی لگا لیا، بلکہ مہاجرین کا یہ سیلاب مغربی جرمنی کی معاشی خوش حالی وترقی کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا۔

ہر شعبے میں برپا ہے اور جس میں بکثرت چھوٹے اہل کاروں سے لے کر بہت سے عالی مقام حکام اور وزرا تک آلودہ ہیں ___ کیا یہ سب پاکستان کو مضبوط کرنے والی چیزیں ہیں؟ یہ دکانوں اور کارخانوں کی ناجائز تقسیم، جس کی بدولت ملک کی صنعت وتجارت کا بڑا حصہ نااہل اور ناتجربہ کار ہاتھوں میں چلا گیا ہے، کیا یہ پاکستان کی طاقت کو مستحکم کرنے والی چیز ہے؟ یہ پبلک کا بالعموم حکومت کے ٹیکس ادا کرنے سے گریز کرنا اور ان سے بچنے کے لیے، نیز دوسرے ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لیے سرکاری ملازموں کو رشوتیں دینا، اور جہاں بھی قانون کی گرفت سے بچ نکلنے کی اُمید ہو پبلک فنڈ کا بڑے سے بڑا نقصان کرنے میں بھی تامّل نہ کرنا، کیا یہی وہ چیزیں ہیں جن سے پاکستان مضبوط ہوسکتا ہے؟

ملک کے باشندوں کی اخلاقی حالت اس قدر گرچکی ہے کہ ہندستان سے آنے والے مہاجرین کی لاشیں جب واہگہ اور لاہور کے درمیان پڑی سڑ رہی تھیں اور کیمپوں میں بھی موت کا بازار گرم تھا اس وقت ۱۲، ۱۳ لاکھ مسلمانوں کے شہر میں سے چند ہزار نہیں، چند سو آدمی بھی ایسے نہ نکلے جو اپنے بھائیوں کو دفن کرنے کی زحمت اٹھاتے۔ متعدد مثالیں ہمارے علم میں ایسی ہیں کہ کوئی مہاجر مرگیا ہے اور اس کے عزیزوں کو نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے اُجرت پر آدمی فراہم کرنے پڑے ہیں۔ یہاں تک بھی نوبت پہنچی ہے کہ سرحد کے قریب کسی گاؤں میں مہاجرین کو زمینیں دی گئیں اور مقامی مسلمانوں نے سرحد پار سے سکھوں کو بلا کر ان پر حملہ کرادیا تاکہ یہ بھاگ جائیں اور زمین ہمارے قبضہ میں رہ جائے۔ حد یہ ہے کہ قوم کی جو بیٹیاں ہندستان کے ظالموں سے بچ کر آگئی تھیں ان کی عصمتیں یہاں خود اپنے بھائیوں کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکیں ___ اس قسم کے واقعات شاذ نہیں ہیں بلکہ بکثرت ہمارے علم میں آئے ہیں، اور ان شرم ناک جرائم کے مرتکب صرف عام شُہدے ہی نہیں تھے ___ کیا اِتنے شدید اخلاقی تنزل کے ہوتے ہوئے ہم یہ اُمید کرسکتے ہیں کہ کسی بڑی اندرونی یا بیرونی مصیبت کے مقابلے میں ہم مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوسکیں گے؟ اور کیا یہ اخلاقی تنزل اپنے ملک کی تعمیر کے لیے ہماری کسی اسکیم کو کامیابی کے ساتھ چلنے دے گا؟

تھوڑی دیر کے لیے ہم اس سوال کو جانے دیتے ہیں کہ ہماری قیادت نے سیاسی تحریک

کے ساتھ قوم کی اخلاقی طاقت کو سنبھالنے کی فکر کیوں نہ کی؟ ہم پوچھتے ہیں کہ اب وہ اس کے لیے کیا کر رہی ہے؟ اخلاق بنانے اور سنوارنے کا کیا سروسامان اس کے پاس ہے؟ کیا تدابیر اس کے پیشِ نظر ہیں؟ کیا لائحہ عمل اس نے بنایا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا واضح جواب ہمیں ملنا چاہیے۔ اگر اس کے جواب میں اُن نصائح کی طرف اشارہ کیا جائے جو کبھی کبھی ریڈیو اور سرکاری پریس اور تقریروں کے ذریعے سے پبلک کو اور حکومت کے چھوٹے اہل کاروں کو کی جاتی رہتی ہیں، تو ہم پہلے ہی کہے دیتے ہیں کہ اس طرح کی طفل تسلیوں سے ہمیں معاف رکھا جائے۔ اس لیے کہ بداخلاقی کے اصل سرچشمے تو خود قصرِ قیادت کے ستونوں میں شامل ہیں۔ کارفرمائی اور کارپردازی کی باگیں تو اِس وقت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جن کی بڑی اکثریت ہی کے دم قدم سے بداخلاقی کا بازار گرم ہے۔ پھر بھلا خیانت کی زبان سے امانت کا سبق، خودغرضی کی زبان سے ایثار کا وعظ اور گناہ کی زبان سے نیکی کا درس انسانی فطرت نے کب قبول کیا ہے کہ یہاں اس کے کارگر ہونے کی توقع کی جائے!

● **ملکی وحدت و سلامتی**: دوسرا مسئلہ جو پاکستان کی زندگی، اس کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے بڑی اہمیّت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان جن عناصر پر مشتمل ہے، انھیں کس طرح جوڑ کر ایک بنیانِ مرصوص بنایا جائے؟ یہ عناصر اِس وقت شدت کے ساتھ مائلِ انتشار نظر آ رہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے عناصرِ ترکیبی ہی اگر مجتمع اور باہم پیوستہ نہ ہوں تو اِس کے وجود کا برقرار رہنا سخت دشوار ہوتا ہے ـــــ لہٰذا اگر یہ واقعہ ہے، اور کون ہے جو اس کا انکار کرسکتا ہو، کہ پاکستان کے ترکیبی عناصر میں جمع و تالیف کے بجاے کچھ انتشار و پراگندگی کے رُجحانات پائے جاتے ہیں اور کچھ قوتیں اُن کو بڑھانے میں لگی ہوئی ہیں، تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے بندِ استحکام، بلکہ عین ہماری بندشِ وجود ہی میں ایک خطرناک رخنہ موجود ہے، جسے دُور کیے بغیر ہم اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

پاکستان جن عناصر پر مشتمل ہے ان میں تین تفریقیں اس وقت بالکل نمایاں ہیں:

○ پہلی تفریق مہاجرین اور غیرمہاجرین کے درمیان ہے۔ ہماری آبادی میں مہاجرین کی تعداد اس وقت ۷۰ لاکھ سے متجاوز ہوچکی ہے اور یہ تعداد روزافزوں ہے، کیونکہ ہندستان کے

ہر حصے سے مسلمان اُکھڑ اُکھڑ کر برابر پاکستان کی طرف چلے آرہے ہیں۔ مشرقی ہند کے لوگوں کا رُخ مشرقی پاکستان کی طرف ہے اور باقی ہندستان کے لوگ مغربی پاکستان کی راہ لے رہے ہیں[۲] یہ نیا عنصر اب ہماری آبادی کا ایک مستقل عنصر ہے اور تعداد کے لحاظ سے کوئی معمولی عنصر نہیں ہے۔ لیکن متعدد اسباب ایسے ہیں جو نئے اور پرانے عناصر کو مل کر ایک قوم بننے سے روک رہے ہیں۔ کچھ تو زبان، تہذیب، معاشرت اور عادات و خصائل کے قدرتی اختلافات ہیں جو بہرحال ایک مدت تک یگانگت میں مانع ہوا ہی کرتے ہیں۔ مگر ان پر غیر معمولی اضافہ جس چیز نے کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ مہاجرین اور غیر مہاجرین دونوں میں جاہلیت کے تعصبات اور نفسانی خود غرضیاں کارفرما ہیں۔ یہ چیز ہر جگہ ان دونوں عناصر کو پھاڑ رہی ہے، ان کو مخالف جتھوں کی شکل میں منظم کر رہی ہے، ان کے درمیان آویزش کی صورتیں پیدا کر رہی ہے اور دونوں طرف کے تنگ نظر اور خود غرض مفسدین ان کو باہم لڑا رہے ہیں[۳]

○ دوسری تفریق جغرافی، نسلی اور لسانی ہے۔ پاکستان اول تو دو ایسے خطوں پر مشتمل ہے جن کے درمیان ایک ہزار میل سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ پھر یہ خطے بھی اپنی اپنی جگہ اندرونی وحدت نہیں رکھتے بلکہ مختلف اجزا سے مرکب ہیں اور ہر جز دوسرے جز کے خلاف تعصب رکھتا ہے۔ اس وقت درحقیقت ہم ایک قوم نہیں ہیں، پانچ مختلف قومیں ہیں جو مصنوعی طور پر ایک سیاسی وحدت میں منسلک ہوگئی ہیں، یعنی سندھی، بلوچی، پٹھان، پنجابی اور بنگالی۔ ان میں سے ہر ایک قوم کے اندر علیحدگی کا رُجحان شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور بعض نادان گروہ اس کو شدید تر کرنے کی پیہم جدوجہد کر رہے ہیں[۴]

۲- ۱۹۵۰ء میں کھوکھراپار کے راستے آنے والے مسلمانوں کی تعداد ۲ لاکھ ۶۴ ہزار ۸ سو ۹۹ تھی، اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ تعداد ۶ لاکھ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی رُو سے ۷ لاکھ مسلمان زیادہ تر بہار سے مشرقی پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے۔

۳- مشرقی پاکستان میں نہ صرف مہاجرین، بلکہ تمام غیر بنگالی مسلمانوں کے ساتھ خود مسلمانوں نے آخرکار وہ سلوک کیا جو درندگی اور سفاکی میں اُس ظلم سے بھی بازی لے گیا جو ہندستان میں ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔

۴- تحریکِ پاکستان کے وقت مسلم قومیت اور مسلمانوں کی قومی وحدت کا صور جس طرح پھونکا گیا تھا، ←

○ تیسری تفریق معاشی ہے۔ امیر اور غریب، زمین دار اور کاشت کار، مزدور اور سرمایہ دار، بڑی تنخواہیں پانے والے افسر اور چھوٹے اہل کار، یہ مختلف گروہ ہیں جن کو معاشی بے انصافیوں نے ایک دوسرے سے پھاڑ دیا ہے۔ ان کے درمیان اخوت اور ہمدردی کا تعلق نہیں ہے بلکہ حسد اور بُغض کا تعلق ہے۔ یہ ایک دوسرے کے رفیق اور حامی و ناصر نہیں ہیں بلکہ حریف اور مدِّ مقابل ہیں۔ ان کی کش مکش بھی روز بروز بڑھ رہی ہے اور ہمارے اندر ایک گروہ ایسا موجود ہے جس کا مستقل فلسفہ ہی یہ ہے کہ انھیں ملا کر ایک کر دینے کا خیال باطل ہے اور حق صرف یہ ہے کہ ان کو باہم لڑا دیا جائے۔[۵]

سوال یہ ہے کہ یہ مختلف تفریقیں، جو ہماری قوم اور ریاست کو پارہ پارہ کر دینے پر تلی ہوئی ہیں، جن کو نشو و نما دینے کے لیے گہرے داخلی اسباب بھی موجود ہیں، اور جنھیں بھڑکانے کے لیے خارجی محرکات کی بھی کمی نہیں ہے، آخر کس طریقے سے مٹائی جا سکتی ہیں؟ طاقت کے ذریعے سے ان کو دبا کر ریاست کی سیاسی وحدت اور اس کے امن کو برقرار رکھنا ایک حد تک ممکن ہے، مگر یہ چیز دلوں کو جوڑ کر وہ قلبی وحدت تو ہرگز پیدا نہیں کر سکتی جو ریاست کی اندرونی ترقی اور بیرونی خطرات کے مقابلے میں اس کی متحدہ مدافعت کے لیے ضروری ہے۔ پھٹے ہوئے دل اور کھنچے ہوئے ہاتھ نہ تعمیر میں تعاون کر سکتے ہیں اور نہ مدافعت ہی میں بنیانِ مرصوص بن کر کھڑے ہو سکتے ہیں۔

← یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی تھی کہ یہ مختلف نسلی، جغرافی اور لسانی عناصر ایک اسلامی قومیت میں جذب ہو گئے ہیں اور جاہلیت کی یہ تفریقیں ان کے اندر باقی نہیں رہی ہیں۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ہی ان تفریقوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا، اور تفرقہ پردازوں نے جاہلیت کے اِن تعصبات کو اُبھارنے کا کام بھی شروع کر دیا۔ مگر جو لوگ گذشتہ ۲۵ سال میں پاکستان کے معاملات کو چلا رہے تھے انھوں نے ان عناصر کو ایک وحدت میں جذب کرنے کے لیے کچھ نہ کیا، بلکہ اس کے برعکس تفرقہ پردازوں کی اُلٹی حوصلہ افزائی کی۔ اسی کا خمیازہ ہے کہ آج مشرقی پاکستان تو ہم سے کٹ کر الگ ہو ہی چکا ہے، اور باقی ماندہ پاکستان میں بھی چار قومیتوں کے نعرے علانیہ لگ رہے ہیں۔

۵- یہ فتنہ بھی ۲۵ سال میں پَل بڑھ کر خوب جوان ہو چکا ہے اور اب اِسلام کے ملک میں علانیہ سوشلزم کی دعوت بلند کی جا رہی ہے جو مسلم معاشرے کو طبقات میں تقسیم کر کے ان کے درمیان طبقاتی جنگ برپا کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔

قومیت کا پرچار بھی اس معاملے میں بے بس ہے۔ ہندستان میں ہم اس کا نتیجہ دیکھ چکے ہیں۔ مغربی تصورات کے مطابق قومیت کی تبلیغ و تلقین وہاں جتنی بڑھتی گئی، اس نے ملک کی آبادی میں وحدت پیدا کرنے کے بجاے ان تمام گروہوں میں اپنے امتیازی وجود کا احساس جگا دیا جو اپنے اندر قومیت کے عناصر رکھتے تھے۔ پھر معاشی اغراض کا تصادم تو وہ چیز ہے جس کے زہر کا تریاق فراہم کرنے میں قومیت جگہ جگہ ناکام ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اب ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری موجودہ قیادت کے پاس اس مسئلے کا کیا حل ہے اور وہ کہاں تک اس سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتی ہے؟

کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ ہم اُن دوسرے مسائل کی اہمیت سے غافل ہیں جو اس وقت پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کو درپیش ہیں۔ بلاشبہہ وہ مالی، صنعتی، انتظامی، دفاعی اور خارجی مسائل بھی اپنی جگہ کافی اہم ہیں جن سے ہم اس مملکت کی پیدایش کے بعد دوچار ہوئے۔ کوئی نہیں کہتا کہ ان کی طرف توجہ نہ کی جائے، نہ ان واقعی خدمات کا انکار کرنا قرین انصاف ہے جو اس سلسلے میں موجودہ قیادت نے انجام دیں۔ لیکن جہاں تک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کی حیات قومی کے لیے اِس وقت سب سے بڑے مسئلے یہی ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا ہے، اور قیادت کا اصل محکِّ امتحان [کسوٹی] یہ ہے کہ وہ انھیں صحیح طور پر حل کرنے کی اہلیت، فکری اور اخلاقی حیثیت سے کہاں تک اپنے اندر رکھتی ہے۔ (ترجمان القرآن، اگست ۱۹۴۸ء، تحریک آزادی ہند اور مسلمان، دوم، ص ۳۱۷-۳۲۵)

رمضان المبارک رعایتی سکیم

2008

کتاب کا نام	مصنف	قیمت	رعایتی قیمت
کتاب الصوم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	100/-	55/-
فضائل قرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	75/-	40/-
کتاب الدعا والذکر	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	40/-	22/-
اربعین امام نووی	مولانا امیر الدین مہر	120/-	65/-
گلدستہ حدیث	مولانا محمد یوسف اصلاحی	35/-	20/-
شعور حیات (تین حصے)	مولانا محمد یوسف اصلاحی	270/-	150/-
اخلاص نیت	مولانا محمد یوسف اصلاحی	24/-	15/-
حضرت محمد رسول اور انسان	مولانا محمد یوسف اصلاحی	20/-	12/-
ھُو سیدنا	ڈاکٹر ام کلثوم	100/-	55/-
خاصان خدا کی نماز	ابو محمد امام الدین	40/-	20/-
خاصان خدا کا خوف آخرت دو حصے	ابو محمد امام الدین	80/-	40/-

البدر پبلی کیشنز

فون: 042-7225030
موبائل: 0300-8485030
23۔ راحت مارکیٹ، اُردو بازار لاہور۔

نوٹ: رعایتی سکیم رمضان المبارک کے لئے ہے ڈاک کا خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

نفلی روزے

مولانا عبدالمالک

حضرت عبداللہ بن شفیقؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (نفلی) روزوں کے معمول کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ: آپؐ روزہ رکھنا شروع کرتے تو یوں لگتا کہ اب افطار نہیں کریں گے اور روزہ ترک کردیتے تو یوں لگتا کہ اب روزہ ترک کرنے کی حالت میں رہیں گے۔ فرماتی ہیں کہ مدینہ شریف تشریف لانے کے بعد آپؐ نے کسی مہینے کے پورے روزے نہیں رکھے سوائے رمضان کے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپؐ نے رمضان المبارک کے علاوہ کسی مہینے کے سارے روزے رکھے ہوں اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی مہینے میں آپؐ نے شعبان سے زیادہ روزے رکھے ہوں (بخاری)۔ آپؐ نے فرمایا: اتنا عمل کرو جتنا کہ تمھارے اندر طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں اکتائیں گے لیکن تم عمل سے اُکتا جاؤ گے۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب حاصل کرنے کے لیے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی عبادات فرض کی ہیں اور ان فرائض کی تکمیل کے لیے نفلی عبادات کا دروازہ بھی کھول دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے حدیثِ قدسی مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور ولایت حاصل کرنے کا ذریعہ فرائض کے بعد نوافل ہیں۔ ان کے ذریعے آدمی اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے تو پھر ہدایت اس کے لیے مقدر ہو جاتی ہے اور اس کی دعائیں سنی جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

روزے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان اپنی خواہشات پر قابو پالیتا ہے۔ پھر بھوک، پیاس

اور جنسی جذبات اسے راہ راست سے بھٹکا نہیں سکتے۔ شیطان کے حملوں سے روزہ دار محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو ڈھال فرمایا ہے۔ رمضان المبارک میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور روزے دار کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ روزہ دار اپنے آپ کو تمام عبادات اور احکام کی تعمیل کے لیے تیار اور تمام منکرات سے بچنے کے قابل بنالیتا ہے۔ کھانے پینے اور جنسی جذبات کو سحری سے افطار تک روکے رہنے کے سبب اسے ان خواہشات پر قابو پانے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ تقویٰ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ روزہ خواہشات کو ترک کرنے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہو سکتا کہ کس شخص نے روزہ رکھا ہے اور اپنی خواہشات کو ترک کیا ہے۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ اس وجہ سے روزے کا اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر نیکی کا ثواب ۱۰ گنا سے لے کر ۷۰۰ گنا تک ملتا ہے مگر روزہ میرے لیے ہے میں خود اس کی جزا دوں گا۔ (بخاری، مسلم)

○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو جو روزانہ روزہ رکھتے تھے بالآخر ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن افطار کرنے کی اجازت دی اور فرمایا: ''یہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور اس سے افضل کوئی روزہ نہیں'' (بخاری)۔ آپؐ نے فرمایا: ''جس نے ہمیشہ روزہ رکھا' اس نے روزہ نہیں رکھا'' (بخاری)، یعنی وہ روزہ نہیں رکھ سکے گا۔

رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ رمضان المبارک کے روزوں سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا جو مقام روزے دار کو ملتا ہے' اس میں ترقی اور کمال کے لیے نفلی روزوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ انبیا علیہم السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزوں کا خصوصیت سے اہتمام کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے تھے۔

روزے کے اس اجر کی وجہ سے نبیؐ بھی نفلی روزے رکھتے تھے اور صحابہ کرامؓ میں بھی اس کا جذبہ اور شوق تھا۔ نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کے لیے نفلی روزوں کا وہ نمونہ پیش کیا ہے' جس پر وہ عمل کر سکیں اور نفلی روزوں کے سلسلے میں خصوصی ہدایات بھی دیں۔ اس لیے آپؐ نے کسی مہینے اور مہینے کے دنوں کو روزہ رکھنے کے لیے خاص نہیں کیا۔ کبھی شروع' کبھی درمیان اور کبھی آخری دنوں میں روزہ رکھتے تاکہ اُمت کے لیے آسانی ہو اور امت کے افراد اپنے اپنے حالات کے مطابق نفلی روزوں کا اہتمام کریں۔ البتہ جس طرح فرض نمازوں سے پہلے فرضوں کی تیاری کے لیے سنتیں رکھی گئی ہیں اور فرضوں کے بعد ان

کی تکمیل کے لیے سنتیں پڑھی جاتی ہیں، اس طرح رمضان المبارک کی آمد کے موقع پر آپؐ نے شعبان کے اکثر دنوں میں روزے رکھے اور رمضان المبارک کے اختتام کے بعد آپؐ نے چھے روزے رکھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔

○

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی والدہ اُم سلیم کے ہاں تشریف لائے۔ وہ آپؐ کی مہمان نوازی کے لیے کھجوریں اور مکھن لے کر آئیں۔ آپؐ نے فرمایا: مکھن مشکیزہ میں اور کھجوریں تھیلے میں واپس ڈال دو، میں روزے سے ہوں۔ پھر گھر کے ایک کونے میں تشریف لے گئے اور نفل پڑھے۔ پھر اُم سلیم اور ان کے اہل خانہ کے لیے دعا کی۔ اُم سلیم نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرا پیارا بیٹا آپؐ کی خدمت کے لیے مختص ہے، اس کے لیے بھی دعا فرمایئے۔ تب آپؐ نے حضرت انسؓ کے لیے دعا فرمائی اور دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی نہ چھوڑی۔ آپؐ کی دعا تھی: اللهم ارزقه مالاً و ولداً و بارك له ''اے اللہ اسے مال اور اولاد اور برکت عطا فرما''۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تمام انصار سے میرا مال اور اولاد زیادہ ہے۔

انسان نفلی روزے کی حالت میں کسی کے ہاں مہمان بن جائے تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ بلاضرورت نفلی روزہ نہ توڑے۔

جب کسی کے گھر جائے تو گھر والوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں دعائیں دے۔ ہمارے ہاں یہ روایت کمزور پڑ گئی ہے۔ گھر میں جاتے وقت السلام علیکم کہنا بھی دعا ہے اور گھر سے رخصت ہونے سے پہلے گھر والوں کے لیے دعاے خیر کرنا چاہیے۔ نبیؐ کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔

○

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوموار اور جمعرات کا روزہ خصوصیت کے ساتھ رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)۔ سوموار اور جمعرات کو بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اس حال میں پیش ہو کہ میں روزے سے ہوں''۔ (شمائل ترمذی)

اللہ تعالیٰ کو ہر عمل کرنے والے کے عمل کا علم ہے لیکن نیک لوگوں کے اعزاز کی خاطر ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور ان دنوں میں پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ: رسولؐ اللہ ایک مہینے میں ہفتہ، اتوار اور سوموار کے روزے رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کے روزے رکھتے (شمائل ترمذی)۔

ہفتے کے چھے دن کا روزہ آپؐ کے عمل سے ثابت ہوگیا۔ اس سے اُمت کے لیے آسانی پیدا ہوگئی۔

جمعہ کا روزہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوتا کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کرتے۔ (ترمذی، نسائی)

جمعہ کے دن بھی نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے لیکن ایسی صورت میں جس میں جمعہ کو روزے کے ساتھ خاص نہ سمجھا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو افطار بھی کیا ہے اور روزہ بھی رکھا ہے اور جمعہ کو روزے کے لیے مختص کرنے سے روکا بھی ہے تاکہ لوگ اس نفلی روزے کو اس دن کی فضیلت کے سبب واجب کا درجہ نہ دے دیں۔ اسی طرح آپؐ نے باقی ۶ دنوں میں بھی روزہ رکھا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ کسی بھی دن کا روزہ رکھا جاسکتا ہے، مقصد حاصل ہوجائے گا۔ آج کل نفلی عبادات تو درکنار فرائض میں بھی لوگ کوتاہی کرتے ہیں۔ جو لوگ فرائض کو ادا کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ فرائض سے ایک قدم آگے بڑھیں اور نوافل بھی ادا کریں تاکہ نبیؐ اور صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ولایت کی منزل پر فائز ہوسکیں۔ آج کے پُرفتن دور میں ایمان، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا یہی راستہ ہے۔

عاشورہ کا روزہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزے کا حکم دیا تھا۔ جب رمضان کا روزہ فرض کردیا گیا تو اس کے بعد جو عاشورے کا روزہ رکھنا چاہتا، رکھتا اور جو چھوڑنا چاہتا، چھوڑ دیتا۔ (بخاری) عاشورے کا روزہ بھی نفل ہے۔ نبی کریمؐ نے عاشورے کے روزے کی فضیلت میں فرمایا: مجھے اُمید ہے کہ یہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ (ترمذی)

عاشورہ سے مراد ۱۰ محرم الحرام ہے۔ البتہ اس کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنا بھی بہتر ہے کہ یہود کی مخالفت ہوجائے۔ (ترمذی، عن ابن عباسؓ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسولؐ اللہ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا تو بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ وہ دن ہے جس کی یہود ونصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: اگلے سال ان شاءاللہ ہم نویں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے۔ پھر اگلا سال نہ آیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔(مسلم)

آج کل یہود ونصاریٰ عاشورہ کا روزہ نہیں رکھتے۔ اس لیے آج کے زمانے میں عاشورہ کا روزہ کافی ہے، اب نویں تاریخ کے روزے کی علت باقی نہیں رہی۔(معارف الحدیث، مولانا منظور احمد نعمانی)

عرفہ کا روزہ

حضرت ابی قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ عرفہ کا روزہ ایک سال پچھلے اور ایک سال آیندہ کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔" (ترمذی)

عاشورہ کا دن فضیلت کا دن ہے، اس لیے اس دن روزے کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ اس طرح عرفہ کے دن میں حاجی میدان عرفات میں جمع ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا ان پر نزول ہوتا ہے۔ اس دن جو شخص اخلاص اور شعور کے ساتھ روزہ رکھے گا اس کے لیے یہ روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہ فضائل ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے ہوں۔ فسق وفجور میں ڈوبے ہوئے فرائض کے تارک اور منکرات کے مرتکب کے لیے یہ فضائل نہیں ہیں۔(فتح الباری، ج۱۳)

ایام بیض کے روزے

حضرت موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ابوذر! جب تم مہینے کے تین دنوں کے روزے رکھنا چاہو تو تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا روزہ رکھو۔(ترمذی)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھے تو اس نے دھر سارے زمانے کا روزہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی کتاب میں اُتاری: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام ۶:۱۶۰) "جو ایک نیکی کرے گا، تو اسے ۱۰ گنا ثواب ملے گا"۔ گویا ایک دن ۱۰ دن کے برابر ہے۔

اس طرح تین روزے، پورے مہینہ کے روزوں کے برابر ہو گئے اور جب ایک شخص رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ ہر ماہ میں تین روزے رکھے گا تو اس کے روزے ۱۲ مہینے کے روزوں کے برابر ہو جائیں گے اور اس طرح وہ صائم الدھر بن جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ایام بیض کے روزوں کی تلقین فرمائی لیکن خود ان دنوں کی پابندی نہیں کی تاکہ اُمت پر ان دنوں کی پابندی ضروری نہ سمجھی جائے، صرف فضیلت کا درجہ دیا جائے۔

○

حضرت حفصہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں: چار چیزیں ایسی ہیں جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ چھوڑتے تھے: ۱- عاشورہ کا روزہ ۲- یکم ذوالحجہ سے نویں ذوالحجہ تک کے دنوں کے روزے ۳- ہر مہینے کے تین روزے ۴- فجر کی سنتیں۔ (سنن نسائی)

یہ نفلی عبادات ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اہتمام فرماتے تھے۔ اُمت کے افراد کو بھی اہتمام کرنا چاہیے لیکن نفل اور سنت سمجھ کر۔ ان عبادات میں سے کسی کو واجب کا درجہ نہ دیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے (ابن ماجہ)۔ یہ زکوٰۃ فرض اور نفلی دونوں طرح کے روزوں کے ذریعے نکالی جاتی ہے، فرض روزوں کے ذریعے زکوٰۃ فرض ہے اور نفلی روزوں کے ذریعے زکوٰۃ مستحب ہے۔

ممنوع روزے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنوں، یعنی عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے روزوں سے روکا ہے۔ (مسلم)

حضرت نُبَیشہؓ ہذلی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) کھانے پینے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔ (مسلم)

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق کل پانچ دن کے روزے ممنوع ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی مہمان نوازی اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد کی ایک صورت یہ ہے کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے خطبوں اور نماز کے لیے آتے جاتے تکبیریں پڑھی جاتی ہیں، اور عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق میں یوم عرفہ سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ تک نماز کے بعد تکبیر بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے۔

موت کے بعد......!

نادیہ صدف ^o^

ہر انسان کا مقدر 'موت' ہے اور ایک نہ ایک روز اسے اس حقیقت کا سامنا کرنا ہے۔ موت کا سفر کسی بھی لمحے پیش آ سکتا ہے۔ ربِ رحیم کا فرمان ہے: ''ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم اچھے اور بُرے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمایش کر رہے ہیں۔ آخر کار تمھیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے'' (الانبیا ۲۱:۳۵)۔ موت کا فرشتہ بادشاہ کے محل میں بھی اسی طرح بے روک ٹوک داخل ہو جاتا ہے جس طرح فقیر کی جھونپڑی میں پہنچ جاتا ہے۔ موت کے وقت مقرر کے بارے میں قرآن حکیم میں آتا ہے: ''اگر کہیں وہ لوگوں کو اُن کے کیے کرتوتوں پر پکڑتا تو زمین پر کسی مُتنفِّس کو جیتا نہ چھوڑتا۔ مگر وہ اِنھیں ایک مقررہ وقت تک کے لیے مُہلت دے رہا ہے۔ پھر جب اُن کا وقت آن پورا ہوگا تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا'' (الفاطر ۳۵:۴۵)۔ موت کا لکھا ہوا وقت ذرا پیچھے نہیں ہٹایا جاتا اور نہ موت کے وقت مہلت ہی دی جاتی ہے۔ حالتِ نزع کا کیا عالم ہوگا، فرمایا جا رہا ہے: ''ہرگز نہیں، جب جان حلق تک پہنچ جائے گی، اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا، اور آدمی سمجھ لے گا کہ یہ دنیا سے جدائی کا وقت ہے، اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی، وہ دن ہوگا تیرے رب کی طرف روانگی کا'' (الدھر ۷۶:۲۶-۳۰)۔ حضرت اسما بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہتی ہیں کہ ''ایک دن رسولؐ اللہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں اُس آزمایش کا ذکر فرمایا جس میں مرنے والا آدمی مبتلا ہوتا ہے۔ جب آپؐ نے اس کا ذکر فرمایا تو خوف و دہشت سے سب مسلمان چیخ اُٹھے اور ایک کہرام مچ گیا۔ (بخاری)

---

^o^ جھنگ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ''جب مومن کی رُوح (اس کے جسم سے) نکلتی ہے تو دوفرشتے اُسے ملتے ہیں اور اُسے اُوپر چڑھالے جاتے ہیں تو آسماں والے کہتے ہیں کہ پاک روح زمین کی طرف سے آئی ہے (پھر وہ اُس رُوح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے نیک رُوح) اللہ رحمت نازل فرمائے تجھ پر بھی اور اس جسم پر بھی جسے تو آباد رکھتی تھی۔ پھر اس رُوح کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جایا جاتا ہے تو وہ (اس کے بارے میں) فرماتا ہے کہ اسے آخری میعاد (یعنی قیامت) تک کے لیے (سدرۃ المنتہیٰ کی طرف) لے جاؤ۔ اور کافر کی روح جب (اس کے جسم سے) نکلتی ہے اُسے بھی اسی طرح اُوپر چڑھالے جایا جاتا ہے تو آسمان والے کہتے ہیں کہ ایک خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے۔ پھر (اس کے بارے میں) حکم دیا جاتا ہے کہ اسے آخری میعاد (یعنی قیامت) تک کے لیے سجّین میں لے جاؤ۔ رسولؐ اللہ نے (خبیث روح کی بدبو ظاہر کرنے کے لیے) اُس اکہری چادر کو جو آپؐ اوڑھے ہوئے تھے اس طرح اپنی ناک سے لگایا پھر اُنھوں نے مومن کی روح کی عمدہ خوشبو کا ذکر کیا اور مُشک کا ذکر کیا۔ (مسلم)

موت کے بعد 'جنازے' کا مرحلہ آتا ہے۔ فرمایا جارہا ہے: ''جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اُسے اپنی گردنوں پر اُٹھالیتے ہیں تو اگر وہ (میت) نیک ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ مجھے آگے لے چلو اور اگر وہ نیک نہیں ہوتی تو کہتی ہے کہ ہائے میری کم بختی! تم مجھے کہاں لے جارہے ہو۔ اس کی آواز انسان کے سوا ہر شے سنتی ہے اور اگر انسان اُسے سن لے تو (دہشت اور خوف کی شدت کے باعث) غش کھا کر گر پڑے (بخاری)۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اُس کی تعریف کی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی، اور ایک دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس پر میت کو بُرا کہا۔ اس پر بھی آپؐ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی تعریف کی تو آپؐ نے فرمایا: واجب ہوگئی، اور ایک دوسرا جنازہ گزرا اور لوگوں نے اس (میت) کو برا کہا تو بھی آپؐ نے یہی فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس میت کی تم لوگوں نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، اور جس میت کو تم لوگوں نے برا کہا اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ (نسائی)

جنازے کے بعد انسان کے سفر کی اگلی کڑی عالمِ برزخ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ پس اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔ (نیز) آپؐ نے فرمایا کہ جتنے بھی (ہولناک) منظر میں نے دیکھے ہیں قبر ان سب سے زیادہ ہولناک ہے۔ (ابن ماجہ)

سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔ میت کو دفن کرنے والے پشت پھیر کر واپس لوٹتے ہیں تو مُردہ ان کے جوتوں کی چاپ سن رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرشتے اُس کے پاس سوال کرنے آجاتے ہیں۔ جنتی شخص کو جنت کا لباس پہنایا جاتا ہے، جنت کا بچھونا بچھایا جاتا ہے اور جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جنت کی ہوا اور خوشبو آنے لگتی ہے۔ قبر حدِ نظر تک وسیع کر دی جاتی ہے۔ دوزخی شخص کو جہنمیوں کا لباس پہنایا جاتا ہے، دوزخ کا بچھونا بچھایا جاتا ہے اور دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر دوزخ کی گرمی اور لُو اُس کی طرف آنے لگتی ہے۔ قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اندر کی پسلیاں اُوپر تلے ہو جاتی ہیں۔ پھر اُس پر ایک اندھا، گونگا فرشتہ مسلط کر دیا جاتا ہے جس کے پاس ایک لوہے کا گُرز ہوتا ہے۔ اگر وہ گُرز پہاڑ کو مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ وہ فرشتہ اُس گُرز کے ساتھ اُس کافر کو ایک ضرب لگاتا ہے جس کی آواز انسانوں اور جنوں کے سوا ہر وہ شے سنتی ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ پس وہ کافر خاک ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر اُس میں دوبارہ رُوح ڈالی جاتی ہے (قیامت تک اس پر ایسے ہی عذاب ہوتا رہتا ہے)۔ یہ مرحلہ عالمِ برزخ کا ہے۔

قبر کی منزل کے بعد 'قیامت' کے ہولناک دن کا مرحلہ آتا ہے، کائنات کو درہم برہم کرنے کا دن—— موت کے خاتمے کا دن—— قبروں سے نکل کر رب کے حضور حاضری کا دن—— ہزاروں سالوں کی مسافت کا دن!

قیامت کا دن جس کا آغاز صور پھونکنے سے ہوگا۔ رب رحیم فرماتے ہیں: ''جس روز پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا، لوگ سہمی ہوئی نگاہوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے اور وہی منکرین (جو دنیا میں اس کا انکار کرتے تھے) اس وقت کہیں گے کہ یہ دن تو

بڑا کٹھن ہے'' (القمر ۵۴:۶-۸)۔ آگے ارشاد ہوتا ہے: ''اس دن کے لیے جب حال یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں، سر اُٹھائے بھاگے چلے جارہے ہیں، نظریں اُوپر جمی ہیں اور دل اُڑے جاتے ہیں'' (ابراھیم ۱۴:۴۲-۴۳)۔ سب سے بڑی پشیمانی قیامت کے دن ہوگی جس دن مر مٹنے کی حسرت کی جائے گی، جس کا ایک دن دنیا کے ۱۰ ہزار سال کے برابر ہوگا۔ سورج ایک میل کی مسافت پر ہوگا (میل عربی میں آنکھ میں جو سلائی لگاتے ہیں اس کو بھی کہتے ہیں)۔ ہر فرد اپنے اعمال کے پسینے میں شرابور ہوگا۔ کسی کا پسینہ ٹخنوں تک، کسی کا گھٹنوں تک، کسی کا کمر تک اور کسی کا منہ تک ہوگا۔ انکار کرنے والوں کو منہ کے بل چلایا جائے گا۔ اُس دن نہ کوئی سفارش کام آئے گی نہ مال، نہ اقتدار، نہ اولاد۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور فرمائے گا کہ میں ہوں بادشاہ! زمین کے بادشاہ (اس وقت) کہاں ہیں (بخاری)۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''جس انسان کی یہ خواہش ہو کہ وہ قیامت کے دن کو اس طرح دیکھے گویا وہ اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو اُسے چاہیے کہ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ اور اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ اور اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ پڑھے۔ (ترمذی)

آخرت کے اس سفر کی اگلی سیڑھی ہے: ''نامہ اعمال اور حساب کتاب، اور اس کے نتیجے میں جنت یا دوزخ''۔

ربِ کائنات فرماتے ہیں: ''اور پھر صور پھونکا گیا، یہ ہے وہ دن جس کا تجھے خوف دلایا جاتا تھا۔ ہر شخص اس حال میں آگیا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔ اِس چیز کی طرف سے تو غفلت میں تھا، ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تیرے آگے پڑا ہوا تھا اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے'' (قٓ ۵۰:۲۰-۲۲)۔ حکم ہوتا ہے: ''پڑھ اپنا نامہ اعمال، آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے''۔ نبی کریمؐ فرماتے ہیں: ''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس سے خداوند بزرگ و برتر بلاواسطہ اور بلاحجاب گفتگو نہ کرے۔ بندہ دائیں جانب نظر دوڑائے گا تو اسے وہ چیز نظر آئے گی جو اس نے اعمال میں سے بھیجی ہے۔ بائیں جانب دیکھے گا وہی اعمال نظر آئیں گے جو اس نے بھیجے ہوں گے۔ سامنے دیکھے گا تو آگ نظر آئے گی جو اس کے چہرے کے بالکل سامنے ہوگی (بخاری، مسلم)۔ اعمال ناموں کے ریکارڈ وڈیو فلم کی طرح دکھائے جائیں

گے۔ کراماً کاتبین ہی نہیں، ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، چمڑی، کھال بھی گواہیاں دیں گے۔ اس دن رب اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں کا حساب لے گا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی'' (التکاثر ۱۰۲:۸)۔ اور ''جو تم کیا کرتے تھے اس کی بابت تم سے ضرور پوچھا جائے گا''۔ اعمال کی جانچ پڑتال ہو رہی ہوگی، انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: ''تم لوگ اس وقت تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے: دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا۔ اور بائیں بازو والے، تو بائیں بازو والوں (کی بدنصیبی) کا کیا ٹھکانا۔ اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں وہی تو مقرب لوگ ہیں۔ (الواقعہ ۵۶:۷-۱۱)

ذرا غور کیجیے کہ ہم کس گروہ میں اپنے آپ کو شمار کرنے کی تیاری کر رہے ہیں؟ اس کے بعد وہ مرحلہ آئے گا جب میزان آویزاں کر دی جائے گی!

رب رحیم کا احسان عظیم ہے کہ اُس دن فیصلہ تول کے بھاری اور ہلکے ہونے پر ہوگا۔ قرآن میں رب کریم فرماتے ہیں: ''اور قیامت کے روز ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا رائی کے دانے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا۔ وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں (الانبیا ۲۱:۴۷)۔ ''پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا، اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوشی خوشی پلٹے گا۔ رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا''۔ (الانشقاق ۸۴:۷-۱۲)

ایک بار حضرت عائشہؓ دوزخ کی آگ کو یاد کر کے رو رہی تھیں۔ آپؐ سے پوچھتی ہیں کیا آپؐ اپنے اہل و عیال کو یاد فرمائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: قیامت کے دن تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا: ۱- میزان ہلکا یا بھاری ہے ۲- نامۂ اعمال دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ میں ملا، ۳- پُل صراط پر سے گزرتے ہوئے۔ دراصل شفاعت ایک سفارش ہے جو کہ رب کے حکم اور اجازت سے کی جائے گی۔ دنیا میں ۳۰، ۳۱ نمبر والے کو ہی سفارش کی بنیاد پر رعایتی پاس کرتے ہیں، صفر والا پاس نہیں ہوتا۔ آپؐ نے اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ کو آخرت کی تیاری کی طرف

توجہ دلائی۔ خلوصِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہنے والا اور اذان کے بعد کی دعا پڑھنے والا شفاعت کا حق دار بن سکتا ہے۔

ایمان والوں کو پانی پلانے کے لیے 'حوضِ کوثر' کا بھی اہتمام کیا گیا ہے جسے پینے کے بعد عرصہ تک کبھی پیاس کا شکار نہیں ہوگا۔ آپؐ سے پوچھا گیا: کوثر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے، اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور وہ موتی اور یاقوت سے بنی ہے۔ اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے (ترمذی)۔ غور کرنے اور فکر کا مقام تو یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں حوضِ کوثر پر تمھارا پیش خیمہ ہوں۔ تم میں سے بعض لوگ میرے پاس لائے جائیں گے یہاں تک کہ جب میں جھکوں گا کہ انھیں پانی دوں تو انھیں میرے سامنے سے کھینچ لیا جائے گا۔ اس پر میں کہوں گا کہ اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ اُنھوں نے تمھارے بعد کیا کیا بدعتیں کیں (بخاری)۔ رزلٹ ملنے کے بعد انجام سامنے ہوگا۔ جنت کی صورت میں یا دوزخ کی صورت میں ___ درمیان میں کچھ نہیں ___ ذرا سوچیے ہمارا ہمیشہ کا گھر کہاں تیار ہو رہا ہے!

دوزخ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: ''(قیامت کے دن) دوزخ کو لایا جائے گا۔ اُس دن اس کی ۷۰ لگامیں ہوں گی۔ ہر لگام کے ساتھ ۷۰ ہزار فرشتے ہوں گے جو اُسے کھینچ رہے ہوں گے۔ دوزخ کی آگ کی گرمی دنیا کی آگ سے ۷۰ گنا زیادہ ہے اور جہنّم کی گہرائی ۷۰ برس کی مسافت ہے (مسلم)۔ اہلِ دوزخ کا کھانا تھوہر ہوگا۔ یہ ایک سخت کڑوا بدبودار پھل ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا: ''گرم پانی دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا تو وہ سرایت کرتا ہوا اُن کے پیٹوں تک جا پہنچے گا اور جو کچھ پیٹ میں ہوگا (یعنی انتڑیاں وغیرہ) اسے کاٹ دے گا۔ یہاں تک کہ پھر دوزخیوں کے قدموں کے راستے باہر نکل آئے گا۔ بار بار ایسے ہی ہوتا رہے گا۔ (ترمذی)

سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''کافر کا جسم دوزخ میں بہت بڑھ جائے گا یہاں تک کہ اس کی جلد کی موٹائی ۴۲ ہاتھ ہوگی اور اس کی داڑھ اُحد (پہاڑ) کے برابر ہوگی، اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی جتنی مکہ سے مدینہ کی مسافت''۔ (ترمذی)

اہلِ ایمان کا مستقر جنت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ میں نے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی بشر کے دل میں (اس کا) خیال گزرا (بخاری)۔ جنتی کبھی بیمار نہیں ہوں گے، بوڑھے نہیں ہوں گے، کوئی رنج و تکلیف نہیں پہنچے گی، نہ ان کے کپڑے پرانے ہوں گے، نہ وہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، نہ ناک صاف کریں گے، نہ تھوکیں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کا سینہ مُشک کی طرح (خوشبودار) ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں کسی کی بہشت میں کمان بھر جگہ یا چابک بھر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور اگر اہلِ جنت میں کوئی عورت زمین والوں کی طرف رُخ کرے تو جو کچھ آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے، سب کو روشن کر دے اور خوشبو سے بھر دے اور بے شک اس کا دوپٹہ جو اس کے سر پر ہے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (بخاری)۔ جنت میں ایک درخت ہے (جو اتنا بڑا ہے) کہ سوار اس کے سایے میں ۱۰۰ برس تک چلتا رہے گا مگر اسے طے نہیں کر سکے گا۔ جنت میں ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہوگا کہ جو جو تمنائیں تو نے کی ہیں وہ (سب) تمھیں دی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور دیا جاتا ہے۔ (مسلم)

آپؐ نے فرمایا کہ (آخرت میں) تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا رب اس طرح گفتگو کرے گا کہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ کوئی پردہ جو اُسے چھپائے (بخاری)۔ رب کا دیدار بھی کسی کو ہر جمعہ کسی کو سال میں ایک بار کسی کو پورے عرصے میں ایک ہی بار کرایا جائے گا جسے اہلِ جنت چودھویں کے چاند کی طرح آسانی سے دیکھ سکیں گے!

دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کرنے کا یہ چند لمحوں کا، بالکل مختصر سفر ہم سب نے کرنا ہے۔ ''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے'' (الانشقاق ۸۴:۶)۔ گویا لمحہ بہ لمحہ ہم اپنی موت کی طرف بڑھ رہے ہیں اور نہ جانے زندگی کی یہ مہلت کب ختم ہو جائے!

> قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت، اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس جو تازہ نصیحت بھی ان کے رب کی طرف سے آتی ہے اس کو بہ تکلف سنتے ہیں اور کھیل میں پڑے رہتے ہیں۔ دل ان کے دوسری ہی فکروں میں منہمک ہیں۔ (الانبیا ۲۱:۱-۲)

مابعد جدیدیت کا چیلنج اور اسلام

سید سعادت اللہ حسینی °

(دوسری اور آخری قسط)

مابعد جدیدیت کا ایک محاکمہ

مابعد جدیدیوں کا یہ دعویٰ کہ دنیا میں کسی سچّائی کا سرے سے وجود نہیں ہے ایک نہایت غیر منطقی دعویٰ ہے۔ اس دعویٰ میں بہت بڑا ریاضیاتی نقص ہے۔ یہ کہنا کہ 'یہ سچ ہے کہ دنیا میں کوئی سچ نہیں' ایک بے معنی بات ہے۔ ''دنیا میں کوئی سچ نہیں ہے'' یہ بذات خود ایک دعویٰ اور ایک بیان ہے۔ اگر اس بیان کو درست مان لیا جائے تو اس کی زد سب سے پہلے خود اسی بیان پر پڑے گی، اور یہ بیان جھوٹا قرار دیا جائے گا۔ یہ ماننے کے لیے کہ ''دنیا میں کوئی سچ نہیں ہے'' کم سے کم اس ایک بات کو سچ ماننا پڑے گا۔

مابعد جدیدی ہر عالم گیر سچّائی کے دعوے کو بڑا بول کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس پیمانے پر خود مابعد جدیدیت کو بڑا بول کیوں نہ قرار دیا جائے؟ 'خود ساختہ سچّائیوں' کی رد تشکیل کی یہ فکر ایسا جال بچھاتی ہے کہ اس میں خود ہی پھنس جاتی ہے اور خود اپنے اصولوں کے ذریعے اپنے ہی اصولوں کا رد کرتی ہے۔ غالبًا یہ انسان کی فکری تاریخ کا نہایت منفرد واقعہ ہے کہ کوئی فکر اپنے تشکیل کردہ پیمانوں سے اپنی ہی بنیادوں کو ڈھائے۔

منطقی تضاد کے علاوہ اس فکر کے عملی اثرات بھی نہایت بھیانک ہیں۔ اگر سچّائی اضافی ہے اور دنیا میں کوئی قدر آفاقی نہیں ہے اور سچّائیاں مقامی تہذیبوں کی پیداوار ہیں تو سوال یہ ہے کہ کس

° حیدر آباد، بھارت

بنیاد پر مثلاً نازی ازم کو غلط قرار دیا جائے گا؟ آخر نازی ازم بھی ایک قوم کے اتفاقِ راے ہی کا نتیجہ تھا۔ یا مثلاً کس بنیاد پر ایک شخص کو دوسروں کی جیب کاٹنے سے روکا جائے گا؟ اس لیے کہ ہر جیب کترا جس مخصوص تہذیبی پس منظر میں پروان چڑھتا ہے وہ اسے جیب کترنے کے عمل کو ایک ناگزیر حقیقت کے روپ میں ہی دکھاتا ہے، یا اگر کوئی بزرگ افیم کھا کر چلتی ٹرین کے دروازہ میں سے یہ سمجھ کر نہایت صبر و سکون کے ساتھ باہر نکلنے کی کوشش کریں کہ وہ اپنے گھر کے چمن میں تشریف لے جا رہے ہیں تو آخر کس دلیل سے انھیں اس حماقت سے روکا جائے گا؟ وہ نہایت ایمان داری کے ساتھ وہی سچائی دیکھ رہے ہیں جو افیم کے اثر سے پیدا شدہ ان کے 'مخصوص احوال' انھیں دکھا رہے ہیں۔ اس لیے تعدّد صداقت ('Pluralism of Truth') کے نظریے کا تقاضا ہے کہ ان کی اختیار کردہ سچائی کو بھی تسلیم کیا جائے۔ سچائی کی اضافیت کے نظریے کو مان لینے کے بعد اس دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ جب تک کچھ حقائق پر عالمی اتفاق راے نہ ہو اور انھیں قطعی حقائق کے طور پر قبول نہ کیا جائے، اُس وقت تک تمدّن کی گاڑی ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جہاں کچھ باتوں پر اختلاف رائے تمدن کو رنگا رنگی اور تنوع بخشتا ہے وہیں کچھ باتوں پر اتفاق تمدّن کو استحکام عطا کرتا ہے۔ اس لیے اختلاف اور اتفاق دونوں کی بیک وقت ضرورت ہے۔

مابعد جدیدیت اور اسلام

سچّائی کی اضافیت کا نظریہ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک باطل نظریہ ہے۔ اسلام اس بات کا قائل ہے کہ عقل انسانی کے ذریعے مستنبط حقائق یقیناً اضافی ہیں اور شک وشبہ سے بالاتر نہیں ہیں۔ اس حد تک مابعد جدیدیت اسلامی فکر سے ہم آہنگ ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک جن حقائق کا سرچشمہ وحیِ الٰہی ہے وہ حتمی اور قطعی ہیں۔ ان کی جزوی تشریحات وتعبیرات (جس میں فہم انسانی اور عقل انسانی کا دخل ہے) تو اضافی ہوسکتی ہیں، لیکن ان کے واضح معنٰی ہر اعتبار سے حتمی اور قطعی ہیں۔

اس ساری بحث میں اسلام کا نقطۂ نظر نہایت معتدل، متوازن اور عقل کو اپیل کرنے والا ہے۔ اس نقطۂ نظر میں مابعد جدیدی مفکرین کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی موجود ہیں

اور اُن تضادات کی بھی گنجایش نہیں ہے جو مابعد جدیدیت میں پائے جاتے ہیں۔

یہ بات کہ انسانی عقل حتمی نہیں ہے اور بسا اوقات دھوکا کھا جاتی ہے، اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے کوئی نئی فکر نہیں ہے۔ جدیدیت نے جس طرح عقلِ انسانی کو حتمی اور قطعی مقام دیا اور عقلیات کو حتمی سچّائی کے طور پر پیش کیا، اس پر مابعد جدیدی مفکرین سے بہت پہلے اسلامی مفکرین نے جرح کی۔ بلکہ یہ مبحث صدیوں قبل امام غزالیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے افکار میں بھی ملتا ہے۔

امام غزالیؒ نے تہافتہ الفلاسفہ میں ارسطو کی منطق پر خود اسی منطق کے اصولوں کا استعمال کرتے ہوئے جو تنقید کی ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عقل کے ذریعے معلوم حقائق کو محض واہمہ قرار دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کائنات کی وسعتیں اور وقت لامحدود ہے اور انسانی عقل لامحدود کا ادراک نہیں کرسکتی۔ اس لیے اس کے مشاہدات اضافی ہیں اور ان مشاہدات کی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج بھی اضافی ہیں۔[۲۳] اپنی کتاب معیار العلم، میں اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے انھوں نے مختلف مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ انسانی حسّیات کے ذریعے حاصل شدہ معلومات اکثر اوقات دھوکے کا باعث ہوتی ہیں۔ صرف آنکھ سے دیکھا جائے تو ستارے چھوٹے چھوٹے ذرات معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں سے کئی ستارے زمین اور سورج سے بھی بڑے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر آنے والے حقائق بھی ضروری نہیں کہ حقائق ہوں۔ وہ محض حقیقت کا سایہ یا واہمہ ہوسکتے ہیں۔ حسّیات کا دھوکا عقل سے معلوم ہوتا ہے اور عقل کا دھوکا کسی ایسے ذریعے سے معلوم ہوگا جو عقل سے بالاتر ہے (یعنی وحیِ الٰہی)۔[۲۴]

علّت و معلول کے سلسلے میں امام غزالیؒ اور ابن رُشدؒ کی بحث بھی پڑھنے کے لائق ہے۔[۲۵] ان کا نقطۂ نظر ہے کہ خالص عقلی طریقوں سے دنیا یا انسان کے بارے میں کسی آفاقی بیان تک نہیں پہنچا جاسکتا، اس لیے کہ جو بیان بھی تشکیل دیا جائے گا وہ اپنے عہد کے مخصوص مادی پس منظر سے ماورا نہیں ہوگا۔ جو لوگ اس موضوع پر تفصیل سے پڑھنا چاہیں وہ خاص طور پر امام غزالیؒ کی تہافتہ الفلاسفہ اور معیار العلم کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

جدید اسلامی مفکرین نے بھی جدیدیت پر کلام کرتے ہوئے عقل کی تحدید اور عقل کے ذریعے معلوم حقائق کے اضافی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں:

انسانی فکر کی پہلی اہم خصوصیّت یہ ہے کہ اس میں علم کی غلطی اور محدودیت کا اثر لازماً پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس خدائی فکر میں غیر محدود علم اور صحیح علم کی شان بالکل نمایاں ہوتی ہے۔ جو چیز خدا کی طرف سے ہوگی اس میں آپ ایسی کوئی چیز نہیں پا سکتے جو کبھی کسی زمانے میں کسی ثابت شدہ علمی حقیقت کے خلاف ہو یا جس کے متعلّق یہ ثابت کیا جاسکے کہ اس کے مصنف کی نظر سے حقیقت کا فلاں پہلو اوجھل رہ گیا....ان کے (علمی قیاسات) غلط ہونے کا اتنا ہی امکان ہوتا ہے جتنا ان کے صحیح ہونے کا، اور تاریخِ علم میں ایسے بہت کم قیاسات ونظریات کی نشان دہی کی جاسکتی ہے جو بالآخر غلط ثابت نہیں ہوئے ہیں''۔[۲۶]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات
فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تارِ حیات

یا

وہ علم، کم بصری جس میں ہم کنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ علمِ حقیقی (یا حتمی اور قطعی سچّائی) کا سرچشمہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس نے اپنے علم سے انسان کو اتنا ہی معمولی سا حصہ بخشا ہے جتنا وہ چاہتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ○ (آل عمرٰن ۳:۵) بیشک اللہ وہ ہے جس سے نہ زمین کی کوئی چیز مخفی ہے نہ آسمان کی۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَ مَا خَلْفَھُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَاشَآءَ (البقرہ ۲:۲۵۵) جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے اور لوگ اس کے علم میں کسی چیز پر بھی

حاوی نہیں ہو سکتے بجز ان چیزوں کے جن کا علم وہ خود ان کو دینا چاہے۔

اس طرح جو حقائق علم حقیقی کے سرچشمہ یعنی باری تعالیٰ کی جانب سے وحیِ الٰہی یا اس کے پیغمبر کی منصوص سنت کی صورت میں ظہور پذیر ہوئے ہوں وہ حتمی صداقت (absolute truth) ہیں اور ان کے ماسوا دنیا میں حقیقت کے جتنے دعوے پائے جاتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔ اگر وہ وحیِ الٰہی سے متصادم ہیں تو وہ باطل مطلق (absolute false) ہیں اور اگر متصادم نہیں ہیں تو ان کی حیثیت اضافی صداقت یا relative truth کی ہے جو صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ مختلف معاملات میں عقلی غلطی کا امکان عام انسان تو کجا نبیؐ کے لیے بھی موجود ہے۔ مسئلے کی نزاکت کے پیشِ نظر ہم اس بات کو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

> اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکۂ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت و رسالت سے باہر کی چیزوں میں وہی عقل ہوتی ہے جو عام انسان کی ہوتی ہے اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے۔ شاہ ولی اللہؒ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے کہ اس کا مدار وحی والہام اور ملکۂ نبوت پر نہیں بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے۔[۲۴]

اس بحث سے یہ بات واضح ہے کہ وحیِ الٰہی سے منصوص حقائق کے ماسوا تمام امور، خواہ وہ سائنسی اصول وضوابط ہوں یا ریاضی ومنطق، یا معاشیات وسیاسیات یا سماجیات وعمرانیات سے متعلق امور، تمام دعوے اضافی ہیں۔

عملی زندگی میں قانون سازی اور ضابطہ سازی کے معاملے میں بھی اسلام نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ جدیدیت کی طرح نہ وہ ہر ضابطے اور اصول کو آفاقی حیثیت دیتا ہے اور نہ مابعد جدیدیت کی طرح ہر آفاقی ضابطہ واصول سے انکار کرتا ہے۔ وحیِ الٰہی کی صورت میں وہ بنیادی اصولوں اور سمت کو آفاقی حیثیت دیتا ہے، ان اُصولوں کو زمان و مکان (Time and Space) سے بالاتر یا ماورا قرار دیتا ہے اور ان آفاقی اصولوں کی روشنی میں مخصوص وقت، مخصوص مقام اور مخصوص احوال کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔ بلکہ اجتہادی اور غیر منصوص احکام میں 'عرف' کا لحاظ رکھتا ہے۔ جسے مابعد جدیدی، تہذیبی اتفاق رائے (Cultural Consensus) کہتے ہیں۔

ضیاء الدین سردار نے اسلام کو مابعد جدیدیت کے مقابلے میں ماورائے جدیدیت (transmodernity) کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔[۲۸] بنیادی اصولوں (قرآن وسنت کی تعلیمات) سے گہری وابستگی کے ساتھ تغیر پذیر زمانے کے مطابق تبدیلیوں کو اختیار کرنے کا عمل ماورائے جدیدیت ہے۔ اسلامی معاشروں میں ابدی قدروں سے وابستگی موجود ہے۔ اس لیے وہ جدید یا مابعد جدید نہیں ہیں اور چونکہ یہ قدریں حیات بخش ہیں اور ان کے اندر نہ صرف نئے زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت موجود ہے، بلکہ نئے ضابطوں اور طرز ہائے حیات کی تشکیل کی صلاحیت اور گنجایش بھی موجود ہے، اس لیے ان کی بنیاد پر قائم سماج کو ماقبل جدید (Premodern) یا روایت پرست بھی نہیں کہا جاسکتا۔ وحیِ الٰہی کی بنیادوں پر چند آفاقی قدروں اور اصولوں کی حمیت اور ان کے دائرے کے باہر وسیع تر معاملات میں وحیِ الٰہی کی روشنی میں نئے طریقوں، ضابطوں اور راستوں کی تشکیل کا راستہ ایک ایسا معتدل راستہ ہے جو اسلام کو بیک وقت دائمی، آفاقی، تغیّر پذیر اور مقامی احوال کے مطابق بناتا ہے اور زمان ومکان کے اختلافات سے ماورا کر دیتا ہے۔ اس لیے اسلام کی بنیاد پر صحیح طور پر بننے والا معاشرہ ماورائے جدید (Transmodern) معاشرہ ہوتا ہے۔

ختم نبوت کا نظریہ یعنی یہ عقیدہ کہ آنحضرتؐ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے اور وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب قیامت تک قرآن ہی اللہ کی کتاب اور بنی نوع انسان کی ہدایت کا ذریعہ ہے، اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے۔ اس نظریے کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اب زمانے میں کسی ایسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے جو بنیادی اصولوں میں کسی ترمیم کی متقاضی ہو۔ آنے والی ہر جدت کی نوعیت جزوی اور ذیلی ہی ہوگی۔ اس لیے یہ کہنا کہ اب ہم جدیدیت کے عہد میں ہیں، اس لیے ماقبل جدیدیت کے عہد کی ہر چیز تبدیل ہونی ہے یا یہ کہ اب ہم مابعد جدیدیت کے عہد میں ہیں اس لیے جدیدیت کی ہر جڑ کی رد تشکیل ضروری ہے، ایک نہایت لغو بات ہے۔ انسانی حیات میں بیک وقت دائمی اور تغیّر پذیر دونوں طرح کے عناصر کارفرما ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اس مسئلے پر اپنی تحریر 'دین حق' میں بہت دل چسپ اور دل نشیں انداز میں بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

کیا یہ واقعہ نہیں کہ تمام جغرافیائی، نسلی اور قومی اختلافات کے باوجود وہ قوانینِ طبعی

یکساں ہیں جن کے تحت انسان دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ نظامِ جسمانی یکساں ہے جس پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ وہ خصوصیات یکساں ہیں جن کی بنا پر انسان دوسری موجودات سے الگ ایک مستقل نوع قرار پاتا ہے۔ وہ فطری داعیات اور مطالبات یکساں ہیں جو انسان کے اندر ودیعت کیے گئے ہیں۔ وہ قوتیں یکساں ہیں جن کے مجموعے کو ہم نفس انسانی کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ تمام طبعی، نفسیاتی، تاریخی، تمدنی، معاشی عوامل بھی یکساں ہیں جو انسانی زندگی میں کارفرما ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعہ نہیں ہے تو جو اصول انسان بحیثیت انسان کی فلاح کے لیے صحیح ہوں، ان کو عالم گیر ہونا چاہیے۔[۲۹]

بعینہٖ یہی بات زمانی اختلافات کے سلسلے میں بھی کہی جاسکتی ہے:

زمانہ ایک حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ جدید و قدیم

مابعد جدیدیت اور فروغِ اسلام

مابعد جدیدیت کا نظریہ اسلام اور اسلامی تحریک کے لیے بیک وقت چیلنج کی بھی حیثیت رکھتا ہے اور امکان (opportunity) کی بھی۔ جدیدیت کی طرح اس تحریک نے بھی بعض سنجیدہ نظریاتی مسائل کھڑے کیے ہیں جن سے مسلمانوں کو فکری سطح پر نبردآزما ہونا ہے۔ جدیدیت کے زمانے میں مفکرینِ اسلام نے اس کے اٹھائے ہوئے سوالات کے مسکت جواب دیے تھے، لیکن ساتھ ہی جدیدیت نے جو حالات اور رویے پیدا کیے تھے، تحریک اسلامی نے اپنی حکمت عملی میں ان کا لحاظ بھی کیا تھا۔ جدیدیت نے عقل کو اہمیّت دینے کا مزاج بنایا تھا تو تحریک نے عقلی طریقوں سے اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔ تحریک کی صورت گری اور اس کے لیے بنائی گئی جماعت کے ڈھانچے کی تشکیل میں بھی جائز حدود میں جدید طریقوں کا استعمال کیا گیا تھا۔

ٹھیک یہی ردعمل مابعد جدیدیت کے بارے میں بھی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک طرف ان فکری چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے جو مابعد جدیدیت نے پیش کیے ہیں اور دوسری طرف

اسلام کی دعوت، اس کے مباحث اور طریق کار میں ان کیفیتوں، مزاجوں اور رویوں کا لحاظ رکھنا ہے جو مابعد جدیدیت نے پیدا کیے ہیں۔

اسی پس منظر میں مسلمان مفکرین اور اسلام کے فروغ اور غلبے کے لیے کام کرنے والے درج ذیل نکات کے حوالے سے لائحہ عمل بنا سکتے ہیں۔ یہ حرفِ آخر نہیں، ان پر گفتگو ہوسکتی ہے، بلکہ ہونا چاہیے۔

۱- تحریک اسلامی کا مقابلہ آج بھی جدیدیت کے فلسفوں سے ہے۔ مابعد جدیدیت کی طاقت و رتحریک کے باوجود اب بھی عقلیت کا فریب پوری طرح بے نقاب نہیں ہو پایا ہے۔ سیاسی سطح پر عالمی استعماری قوتیں اسلامی قوتوں کی اصل حریف ہیں اور وہ آج بھی جدیدیت ہی کی مظہر ہیں۔ اسلامی دنیا میں اسلامی تحریکوں کو کچلنے والے تمام حکمران جدیدیت کے منصوبے ہی کے علَم بردار ہیں۔ اس تناظر میں مابعد جدیدی ہمارے اہم حلیف ثابت ہو سکتے ہیں۔ مابعد جدیدی مفکرین مغرب اور مغربی تہذیب کی شان وشوکت، سرمایہ دارانہ معیشت کی چکاچوند اور مغربی افکار اور عقلیت کے سحر کو توڑنے میں ہمارے معاون بن سکتے ہیں۔ تحریک اسلامی کو بڑا چیلنج اُن قوتوں سے درپیش ہے، جو تحریک کو رجعت پسندی قرار دیتے ہیں اور اسلام کے مقابلے میں جمہوریت، مردوزن کی مساوات وغیرہ کے مغربی تصورات کو اسلامی معاشروں کے لیے راہِ نجات قرار دیتے ہیں۔ مابعد جدیدیت کے علَم بردار بڑے زور وشور سے ان 'عظیم بیانات' کی ردتشکیل میں مصروف ہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں یہ ہمارے حلیف ثابت ہوسکتے ہیں۔ مابعد جدیدی مفکرین نے جدید مغرب کے 'عظیم بیانات' پر جو سوالات کھڑے کیے ہیں ہمیں ان کا مؤثر استعمال کرنا چاہیے اور جدیدیت اور جدید مغرب کو شکست دینی چاہیے۔

۲- مابعد جدیدیت نے روحانیت اور روایات (Traditions) کا احیا کیا ہے اور مذہب کی طرف واپسی کی راہیں ہموار کی ہیں۔ اگرچہ مابعد جدیدی مذہب کو آفاقی سچائی کا مقام دینے کے لیے تیار نہیں، لیکن اگر روحانی سکون کے لیے کوئی شخص مذہب اختیار کرتا ہے یا کوئی معاشرہ اپنے لیے مذہبی قانون پسند کرتا ہے تو مابعد جدیدی مفکرین اسے قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔ یہ صورتِ حال بھی تحریک کے لیے سازگار ہے۔

۳- اس وقت دنیا بھر میں تکثیری معاشرے (pluralistic societies) وجود میں آرہے ہیں۔ ان معاشروں میں اہل اسلام کے لیے ایک بڑا مسئلہ اپنی اسلامی شناخت اور تشخّص کے تحفّظ کا ہے۔ مابعد جدیدی افکار یہاں بھی تحریک کے لیے معاون بنتے ہیں۔ مثلاً یکساں سول کوڈ کا تصور جدیدیت کا تصور ہے، جب کہ مابعد جدیدی مفکرین کے نقطۂ نظر سے ایک ہی ملک میں اپنی اپنی پسند کے علاحدہ علاحدہ قوانین کی نہ صرف گنجایش ہے، بلکہ یہ تکثیریت قابلِ تحسین ہے۔ میرا خیال ہے کہ تحریک اسلامی مابعد جدیدیت کے علَم برداروں کو دوسری مذہبی اقلیتوں کے لیے اسلامی تعلیمات کے حق میں ہموار کرسکتی ہے جن کے مطابق ہر مذہبی گروہ کو اپنے مذہبی قوانین کے مطابق اپنے معاملات چلانے کا حق حاصل رہتا ہے۔

۴- مابعد جدید مفکرین کے ساتھ اس تال میل کے ذریعے، تحریکِ اسلامی کو سچّائی اور قدروں کی اضافیت کے نظریے کو پُرزور طریقے سے چیلنج کرنا چاہیے۔ ان مفکرین کے اٹھائے ہوئے سوالات پر اسلام کا متوازن موقف گذشتہ سطور میں واضح کیا جاچکا ہے۔ یہ موقف مابعد جدیدیت کے اندرونی تضاد سے بھی پاک ہے اور جدیدیت کی ان الجھنوں کو بھی نہایت خوبصورتی سے حل کرتا ہے جن کے حل کے لیے مابعد جدیدیت کی تحریک برپا ہوئی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ موقف پُرزور طریقے سے دنیا کے سامنے لایا جائے۔

۵- اس وقت دنیا بھر کے مذہبی اور نظریاتی فلسفے اپنے پیغام اور طرزِ پیش کش کو مابعد جدید ذہن کے حسب حال بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیتھولک چرچ نے تو اس کی باقاعدہ منظّم کوشش شروع کی ہے۔ اور عیسائی مطالعات میں Postmodern Evangelism باقاعدہ ایک ڈسپلن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔[۳۶] مارکسزم کی نئی پیش کش نیو مارکسزم کی صورت میں سامنے آرہی ہے۔ اسلام کے داعیوں کو بھی اپنی پیش کش میں بدلے ہوئے ذہن کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

ابھی تک ہمارا مخاطب جدید دور کا وہ قاری تھا جس کے اپنے نظریات اور خیالات تھے۔ ہمارا ہدف یہ تھا کہ اس کے نظریات اور خیالات کو غلط ثابت کیا جائے اور اس کے مقابلے میں اپنی دعوت کی معقولیت ثابت کی جائے۔ اب ہمارا سامنا ایک ایسے ذہن سے ہے جو کسی نظریے اور خیال کی ضرورت کا ہی قائل نہیں ہے۔ وہ بیک وقت ہماری دعوت اور ہمارے مخالف کی دعوت

دونوں کو صحیح اور دونوں کو غلط سمجھتا ہے۔ وہ نظریہ اور فکر کے معاملے میں سنجیدہ ہی نہیں ہے۔ وہ مذہب کے ساتھ ساتھ فکر اور نظریے کو بھی انسان کا انفرادی معاملہ سمجھتا ہے جس پر بحث کرنے اور لڑنے کی کوئی ضرورت ہے نہ جواز۔ یہ بدلی ہوئی صورت حال علمی و فکری مباحث کے پورے منظرنامے کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اور اس کا لحاظ کیے بغیر ہم اپنی حکمت عملی کا صحیح طور پر تعین نہیں کرسکتے۔

۶- مابعد جدیدیت نے معقولیات اور علمی دلائل کی اہمیت اس قدر گھٹادی ہے کہ فلسفہ، سماجیات، تہذیبی مطالعات وغیرہ میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کے بالکل نئے طریقے وجود میں آچکے ہیں۔ معقولات کے مقابلے میں کہانیاں، قصے اور داستانیں، عقل کے مقابلے میں جذباتی اپیل اور منظّم اور مربوط بحث کے مقابلے میں ہلکی پھلکی اپیلیں مابعد جدید ذہن سے زیادہ قریب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعدیؒ اور رومیؒ اس وقت اسلامی دنیا سے زیادہ مغربی دنیا میں مقبول ہیں۔ ہمیں اپنی دعوت کی پیش کش میں اس تبدیلی کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا اور ایسے مطالعات تیار کرنے ہوں گے جن کے مقدمات مابعد جدید ذہن کو اپیل کرسکیں۔

۷- معلومات اور اطلاعات کی اُس غیر معمولی اہمیّت کا جسے مابعد جدید عہد میں طاقت کے سب سے بڑے سرچشمے کا مقام مل چکا ہے، تقاضا ہے کہ تحریک اسلامی اس محاذ پر توجہ دے۔ کہا جارہا ہے کہ مابعد جدید دور میں سب سے بڑی قوت معلومات کی قوت ہی ہے۔ لیونارڈ نے لسانی کھیلوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ نئے دور میں معلومات کی ہر چال طاقت کی ایک وضع کی حامل ہے[۳۱] اور بین ملکی طاقت کے کھیل میں کمپیوٹرائزڈ معلومات کا بڑا حصہ ہوگا۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ قوموں اور ملکوں کی آیندہ رقابتیں اور دشمنیاں معلومات کے ذخیروں پر قدرت حاصل کرنے کے لیے ہوں گی یعنی معلومات گیری ملک گیری کی طرح عالمی سطح پر ہوس کا درجہ اختیار کرلے گی۔[۳۲]

اسی صورت حال کا نتیجہ ہے کہ تقریباً ہر ملک اپنی معلوماتی پالیسی (Knowledge Policy) وضع کر رہا ہے اور معلومات کے انتظام (Information Management) کو غیر معمولی اہمیّت دے رہا ہے۔ اس تناظر میں تحریک اسلامی بھی معلومات سے صرفِ نظر نہیں کرسکتی۔ اسے معلومات اور ڈاٹا (data) کے جمع و انتظام اور استعمال پر خصوصی توجہ دینی ہوگی اور اپنی معلوماتی پالیسی وضع کرنی ہوگی۔

۸- جہاں تک تحریک کے جماعتی ڈھانچے کا سوال ہے مابعد جدیدیت کے بعض طالب علموں کا خیال ہے کہ یہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تشکیل دیا گیا ہے اور مابعد جدیدی عہد کی کیفیتوں کا ساتھ دینے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ یہ ایک انتہا پسندانہ نقطۂ نظر ہے۔ دنیا بھر میں بڑی بڑی تنظیمیں مخصوص نظم جماعت کے ساتھ کامیابی سے کام کر رہی ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ نئے تقاضوں کا ساتھ دینے کے لیے ہمارے تنظیمی سانچے میں بعض بنیادی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ علم انتظامیات (Management Sciences) کے تصورات میں مابعد جدیدی افکار نے بڑی انقلابی تبدیلیاں کی ہیں۔ مرکزیت، طاقت کا ارتکاز، سرخ فیتہ شاہی، ضابطوں کی سخت گیری، فیصلہ سازی اور مشاورت کے عمل کی مخصوص اداروں تک محدودیت، جواب دہی اور باز پرس کی میکانیت وغیرہ جیسے امور، جو نوآبادیاتی علم انتظامیات کی نمایاں خصوصیات تھیں اب دنیا بھر میں رد کی جارہی ہیں۔ اور مابعد جدید ذہن نہ انھیں قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، نہ اس سیٹ اَپ میں کام کرنے کے لیے۔ تحریک اسلامی کو اس تبدیلی پر بھی توجہ دینا ہوگی۔

خلاصۂ بحث

مابعد جدیدیت، جدیدیت کا ایک منفی ردعمل ہے اور اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کا مظہر ہے جس میں مسلسل کئی نظریات کی ناکامی اور ابطال کے بعد ہمارے عہد کا پڑھا لکھا انسان بھٹک رہا ہے۔ افکار، نظریات، اور فلسفوں کی عالی شان عمارتیں اس بری طرح سے زمین بوس ہوگئیں کہ نئے زمانہ کے فلسفیوں نے عافیت اسی میں محسوس کی کہ سوچنا ہی چھوڑ دیا جائے۔ فکر وخیال اور سچائی کے تصورات ہی کو واہمہ قرار دیا جائے۔ نظریے اور آئیڈیالوجی کو ایک ناپسندیدہ شے باور کیا جائے اور حیاتِ انسانی کو حالات اور افراتفری کے حوالے کر کے مابعد جدیدیت کی جنت میں چین کی بانسری بجائی جائے۔ تمام جھوٹے خداؤں کے زمین بوس ہوجانے کے بعد مابعد جدیدیت دراصل لا الٰہ کا اعلان ہے۔ اِلَّا اللّٰہ کا اعلان باقی ہے جو ان شاءاللّٰہ موجودہ کیفیت کا لازمی اور منطقی انجام ہوگا۔

حواشی ومراجع

۲۳ اس موضوع پر امام غزالی نے جو بحث کی ہے اس کے لیے ملاحظہ فرمایئے:

Ghazali Abu Hamid Muhammad (2000) "The Incoherence of the Philosophers" (Tr. of Tahafatul Falasafa by Michael E. Marmura), Provo: Brigham Young University Press

۲۴۔ الغزالی، ابوحامد محمد (۱۹۶۵) معیار العلم، تحقیق الدکتور سلیمان دنیا، قاہرہ: دارالمعارف، ص ۴۲-۶۰

۲۵۔ www.ghazali.org/site/dissert.htm

۲۶۔ مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ (۲۰۰۷) دین حق، نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ص ۲۲

۲۷۔ ندوی، علامہ سید سلیمان (۱۹۹۱) سیرت النبی، جلد چہارم، لاہور: الفیصل ناشران کتب، ص ۸۴

۲۸۔ Sardar,Ziauddin
http://www.islamonline.net/english/Contemporary/ 2002/05/article20.shtml

۲۹۔ مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ (۲۰۰۷) دین حق، نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ص ۱۰

۳۰۔ http://www.gettysburgsem.org/mhoffman/ other/pomoevangelism.htm

۳۱۔ Lyonard, J.-F.(1984) The Postmodern Condition: A Report on Knowledge, Geoff Bennington and Brian Massumi (trans.), Minneapolis: University of Minnesota Press p. 9-11

۳۲۔ گوپی چند نارنگ، حوالہ سابق

جدید علوم اور اسلامی تعلیمات ساتھ ساتھ

طالبات کا با اعتماد معیاری اور رہائشی ادارہ

دختران اسلام اکیڈمی

بانسرہ گلی مری

کالج برائے خواتین

داخلے جاری ہیں

فرسٹ ایئر (F.A)

تھرڈ ایئر (B.A)

منفرد خصوصیات

☆ غزالی ایجوکیشن ٹرسٹ اور ایجوکیشن بورڈ سے الحاق شدہ

☆ اعلیٰ تعلیم و تربیت یافتہ خواتین اساتذہ

☆ پُرفضا، صاف ستھرے اور خوبصورت ہاسٹلز میں معیاری میس کی سہولت

☆ راولپنڈی بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی سے نمایاں پوزیشنز کے ساتھ مثالی نتائج کا 12 سالہ ریکارڈ

☆ دینی علوم، تعمیر سیرت و کردار اور مثالی داعیانہ شخصیت کے لیے الفوز اکیڈمی کے ماہرین کی خدمات کا خصوصی انتظام

☆ جسمانی تربیت، ورزش اور کھیلوں کے لیے شاندار Indoor گیمز کی سہولت

☆ کتابوں کے بہترین زخیرے سے مزّین خوبصورت لائبریری اور جدید کمپیوٹر لیب

☆ علمی، ادبی و دینی صلاحیتوں کے نکھار کے لیے ہم نصابی سرگرمیاں اور تعلیمی و معلوماتی دورہ جات

☆ مستحق مگر ذہین طالبات کے لیے خصوصی اسکالرشپ فنڈز

☆ انگلش/عربیک لینگویج اور درس قرآن کی صلاحیت کے لیے خصوصی کورسز

دختران اسلامی اکیڈمی بانسرہ گلی مری 051-7156663, 0333-5565405

......اور اب سوڈان

عبدالغفار عزیز

۱۴ جولائی کو عالمی عدالت برائے جنگی جرائم (International Criminal Court) نے سوڈان کے منتخب صدر عمر حسن البشیر پر جنگی جرائم میں ملوث ہونے کا الزام لگاتے ہوئے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے۔ ایک سوڈانی چرواہے نے خبر سنی تو اپنے مقامی لہجے میں بے اختیار کہہ اُٹھا: دی حکایة تضحك الغنماية ''یہ بات تو میری بکریوں کو بھی ہنسانے کے لیے کافی ہے''۔ خرطوم میں اس عالمی جرم کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک مظاہرے میں مرکزی بینر تھا: You are joking Okambo ''اوکامبو! تم شاید مذاق کر رہے ہو''۔

اس عدالت کے اٹارنی جنرل لویس مورینو اوکامبو نے صدر عمر البشیر پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے کہا ہے کہ (سوڈان کے مغربی صوبے) دارفور میں بڑے پیانے پر ہونے والے قتلِ عام کی ذمہ داری سوڈانی حکومت اور اس کے نظام پر عائد ہوتی ہے اور وزیر انسانی امور احمد محمد ہارون اور جنجا وید ملیشیا کے سربراہ علی قشیب اس میں براہِ راست ملوث ہیں۔ عالمی عدالت نے مطالبہ کیا تھا کہ دونوں کو اس کے سپرد کیا جائے لیکن صدر عمر البشیر نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اپنے شہری کو کسی کے سپرد نہیں کریں گے، وہ اگر واقعی کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ثبوت پیش کیے جائیں۔ ہم خود سوڈانی عدالت میں ان پر مقدمہ چلائیں گے۔ اوکامبو کا کہنا تھا کہ سوڈانی صدر نے نہ صرف مطلوبہ افراد کو پیش کرنے سے انکار کیا ہے بلکہ خود ان کا پورا حکومتی نظام بھی اس قتلِ عام میں ملوث ہے۔ اس لیے ان کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کیے جائیں۔

دیگر پہلوؤں کا جائزہ لینے سے پہلے آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ 'عالمی عدالت جرائم' کیا شے ہے۔ ٹھیک ۱۰ سال پہلے، یعنی جولائی ۱۹۹۸ء میں اقوام متحدہ کے ۱۲۰ رکن ممالک نے روم میں جمع ہوکر ایک معاہدے پر دستخط کرتے ہوئے ایک مستقل اور آزاد عالمی عدالت تشکیل دینے کا فیصلہ کیا۔ دستخط ہونے کے چار سال بعد یکم جولائی ۲۰۰۲ء سے یہ معاہدہ نافذ ہوگیا۔ اعلان کیا گیا کہ دنیاوی تاریخ میں یہ پہلی عالمی عدالت ہے جس کے ذریعے ہر بڑے مجرم کو عدالت کے کٹہرے میں لایا جاسکے گا۔ عالمی عدالتِ انصاف اور اِس نومولود عدالت میں فرق یہ بتایا گیا کہ اول الذکر اقوام متحدہ کے تابع ادارے کی حیثیت رکھتی ہے اور ریاستوں اور ممالک کے درمیان تنازعات نمٹاتی ہے، جب کہ انٹرنیشنل کریمنل کورٹ (ICC) اقوام متحدہ کی تابع نہیں اور یہ عدالت ممالک اور ریاستوں کے بجاے افراد کے خلاف شکایات سنا اور فیصلے صادر کیا کرے گی۔ نومبر ۲۰۰۷ء تک اس عدالت کے فیصلے پر دستخط اور توثیق (ratify) کرنے والے ملکوں کی تعداد ۱۰۵ تھی، مزید ۴۱ ممالک نے دستخط تو کردیے تھے، لیکن اس کی توثیق نہیں کی تھی۔ اتفاق سے اس کی توثیق کرنے والے ممالک میں اُردن اور جیبوتی کے علاوہ کوئی عرب ملک شامل نہیں ہے۔ عدالت کے قواعد وضوابط کے مطابق اس کے دائرہ کار میں وہ ممالک شامل نہیں ہوں گے جنھوں نے اس کے قیام کی توثیق نہیں کی۔ قانوناً اور اخلاقاً تو ساری بات یہیں ختم ہوجانا چاہیے تھی لیکن یہاں بات قانون یا اخلاق کی نہیں بلکہ اُوپر سے نیچے بہتے پانی کو نیچے بیٹھ کر گدلا کرنے والی 'بھیڑیئے کی منطق' سے ہے۔

عدالت کے ضوابط میں یہ بات بھی واضح طور پر لکھی ہے کہ یہ عالمی عدالت قومی عدالتوں کی متبادل نہیں بلکہ انھیں تقویت دینے والا ادارہ ثابت ہوگی۔ ہاں اگر کوئی قومی عدالت اپنا یہ فرض پورا نہ کرے یا اسے کام نہ کرنے دیا جارہا ہو تو ایسے میں عالمی عدالت یہ فرض پورا کرے گی۔ اس معاملے میں بھی، سوڈان کی عدالت ہی نہیں سوڈانی حکومت بھی چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ دارفور میں جرائم کے مرتکب افراد کو عدالت میں لایا جائے۔ دارفور میں برسرِ پیکار مسلح عناصر پڑوسی ممالک چاڈ اور ایتھوپیا میں بیٹھے ہیں، انھیں لایا جائے۔ اگر کوئی حکومتی ذمہ دار ملوث ہے تو اس کے بارے میں بھی ثبوت لائے جائیں۔ ہم انصاف کرکے دکھائیں گے۔ سوڈان کی اس پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور عالمی عدالت کے 'ملک عبدالقیوم' یعنی اٹارنی جنرل اوکامبو نے انصاف کا ادنیٰ تقاضا

پورا کیے اور فریقین کا موقف سنے بغیر ہی ایک آزاد اور خودمختار اسلامی ملک کے منتخب صدر کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کردیے۔

'عالمی انصاف' کی اصل حقیقت اسی امر سے واضح ہے کہ اٹارنی جنرل کی طرف سے فردِجرم عائد کیے جانے اور وارنٹ جاری ہونے سے پہلے ہی امریکی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے بیان جاری کردیا تھا کہ آج سوڈانی صدر کا نام مطلوبہ افراد کی فہرست میں شامل کرنے کا اعلان ہوجائے گا۔ 'عالمی انصاف' کی یہ شان دار مثال پیش کیے جانے پر سوڈان کے اندر اور باہر ہر شخص ششدر اور ہکا بکا رہ گیا ہے۔ جس نے بھی یہ خبر سنی، اس نے اسے افغانستان و عراق پر حملے اور شام و ایران کو دھمکیوں کے سلسلے کا امریکی قدم قرار دیا اور جس نے بھی فردِ جرم سنی اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر عالمی عدالت واقعی کسی کو جنگی مجرم ہونے کی سزا دینا چاہتی ہے تو کیا اس کائنات میں 'امریکی بش' سے بڑا جنگی مجرم بھی کوئی ہوگا؟ صرف عراق میں ۱۵ لاکھ انسان موت کے گھاٹ اُتر چکے ہیں، کیا ان سب کی ہلاکت کی ذمہ داری بش اور اس کے حواریوں کے علاوہ کسی کے سر آتی ہے؟ کیا گوانٹانامو اور ابوغریب میں انسانیت کی تذلیل اور خود گوانٹانامو کے تفتیشی افسروں کا یہ بیان بھی کسی جنگی مجرم کی نشان دہی کرتا ہے کہ اس میں بند سیکڑوں قیدیوں میں سے آدھے افراد کو محض گرفتاری کے معاوضوں کے لالچ میں پکڑوایا گیا اور وہ قطعی بے گناہ تھے۔

عالمی عدالت کے اس احمقانہ اقدام پر اب تک اکثر مسلم ممالک، کئی غیر جانب دار ممالک اور ادارے اپنی تشویش و احتجاج کا علانیہ اظہار کرچکے ہیں۔ سب سے پہلے سعودی فرماں روا شاہ عبداللہ نے سوڈانی صدر سے فون پر بات کرتے ہوئے ان سے اپنی کامل یک جہتی کا اظہار کیا۔ پھر عرب لیگ نے مذمت کی اور وزراے خارجہ کا ہنگامی اجلاس بلانے کا اعلان کیا (اب ۱۹ جولائی کو منعقدہ اس اجلاس کی طرف سے بھی سوڈان کی ہرممکن قانونی و اخلاقی امداد کا اعلان ہوگیا ہے)۔ او آئی سی کے سیکرٹری جنرل نے بھی اظہارتشویش و مذمت کیا لیکن سب سے اہم اور مؤثر بیان چین کی طرف سے آیا جس کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان لیوجیان چاؤ نے کہا: ''عالمی عدالت وہ فیصلے کرے جس سے دارفور میں قیامِ امن و استحکام میں مدد ملے، نہ کہ ایسے فیصلے کہ جن سے رہا سہا استحکام بھی خاک میں مل جائے۔ چین کا یہ بیان کئی حوالوں سے اہم ہے۔

سرکاری ردعمل کے علاوہ عوامی سطح پر بھی ہر جگہ اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ایک مثال سے اس کے ہمہ پہلو اور عالم گیر ہونے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ موریتانیا عالمِ اسلام کے انتہائی مغرب میں بحرالکاہل کے کنارے واقع ایک غریب صحرائی مسلمان ملک ہے۔ تقریباً ۲ برس پہلے اس کے فوجی جرنیل کا عہدِ اقتدار ختم ہوا، سیاسی جماعتوں کی باقاعدہ تشکیل ہوئی اور اب قومی انتخابات کا مرحلہ مکمل ہوا ہے۔ اوکامبو کے اعلان کے بعد حکومتی ردعمل کے علاوہ ۷ اپوزیشن جماعتوں: پروگریسو پیپلز پارٹی، اتحاد و تبدیلی پارٹی، صواب پارٹی، جمہوری اشتراکی وحدت پارٹی، اُمل (یعنی اُمید) پارٹی، اشتراکی پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی کی قیادت نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے اس اقدام کی مذمت کی۔ موریتانیا کی اسلامی تحریک 'اصلاح و ترقی پارٹی اس سے پہلے ہی مختلف احتجاجی اقدامات کرچکی تھی۔

● **اصل معاملہ کیا ہے؟** سوڈان ۱۸ صوبوں پر مشتمل ایک ملک ہے۔ اس کا کُل رقبہ ۲۵ لاکھ مربع کلومیٹر ہے جس کی سرحدیں ۹ ممالک سے ملتی ہیں۔ دارفور اس کا مغربی صوبہ ہے۔ موجودہ حکومت نے صوبوں کی تعداد بڑھا کر ۲۶ کردی ہے۔ دارفور کا علاقہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے انتظامی و ترقیاتی امور کو زیادہ بہتر بنانے کے لیے اسے شمالی، مغربی اور جنوبی دارفور کے تین صوبوں میں تقسیم کرنا پڑا ہے۔ رقبہ اتنا وسیع و عریض ہے کہ صرف دارفور کا رقبہ مصر سے بڑا اور فرانس کے کُل رقبے کے مساوی ہے۔ دارفور کی اکثریتی آبادی کئی نسلوں سے گلہ بانی اور کھیتی باڑی کا کام کرتی ہے۔ گائیوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہی دولت و ثروت کی علامت سمجھے جاتے ہیں اور انھی کے لیے چراگاہوں کی تلاش میں مختلف قبائل دورانِ سال ایک سے دوسرے علاقے کی طرف ہجرت کرتے رہتے ہیں۔

جنوبی سوڈان میں مئی ۱۹۸۳ء سے علیحدگی کی تحریک عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جان گرنگ کی قیادت میں جاری اس جنگ کی امریکا اور صہیونی ریاست سمیت سوڈان کے حصے بخرے کرنے کے لیے کوشاں ہر عالمی طاقت نے ہر ممکن مدد کی۔ اسے مسلم عیسائی جنگ کا رنگ دیا گیا، حالانکہ جنوبیوں کی ایک مختصر تعداد ہی عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ اکثریت بے مذہب، یعنی کسی خدا کو نہ ماننے والی تھی لیکن مسلم عیسائی جنگ میں جو تعصب پیدا کیا جاسکتا ہے وہ صرف علیحدگی پسندی میں

نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۹۸۹ء میں عمر حسن البشیر کی زیر قیادت 'انقلاب نجات' کے نام پر تبدیلی آئی۔ اس وقت گرنگ کی فوجیں دارالحکومت خرطوم پر قبضہ کرنے کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔ انقلابی قیادت نے اس کی راہ میں قومی سطح کی جہادی مزاحمت کی دیوار کھڑی کردی۔ پوری قوم کے لیے اس میں شرکت لازمی قرار دی۔ سرکاری عمّال اور علما و مشائخ سمیت سب بنفس نفیس محاذ جنگ پر پہنچے۔ سیاسی اور فوجی قیادت نے بھی اپنے افراد خانہ کی جانی قربانیاں پیش کیں اور جنوبی بغاوت ہر طرح کی عالمی مدد کے باوجود کمزور ہوتی چلی گئی۔

اسی دوران میں، کیمیاوی ہتھیار بنانے کا الزام لگاتے ہوئے دارالحکومت خرطوم میں واقع ادویات کے ایک کارخانے پر براہِ راست امریکی حملہ کیا گیا، پابندیاں لگائی گئیں، مزید دھمکیاں دی گئیں، پڑوسی ملکوں سے لشکرکشی کروائی گئی، اپوزیشن پارٹیوں کو مصر میں جمع کر کے ان کے مشترکہ محاذ تشکیل دیے گئے لیکن جب اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں...... تو بالآخر مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا اور کئی طویل ادوار کے بعد ۹ جولائی ۲۰۰۵ء کو حتمی و تاریخی معاہدے پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ شمال و جنوب کو ملا کر ایک مشترکہ حکومت تشکیل دی گئی اور جنوبیوں کو اس طور شریک کار کیا گیا کہ صدر کے ساتھ سینیر نائب صدر جنوبی، وزارتِ خارجہ سمیت اہم وزارتوں میں ان کی شرکت اور تقسیم الثروة والسلطة (تقسیم اقتدار و ثروت) کے فارمولے کا پورا پورا احترام کیا گیا۔ اس معاہدے کی خطرناک ترین شق یہ ہے کہ یہ سارا عرصہ ایک عبوری دور ہے۔ اس کے ۶ برس پورے ہونے کے بعد جنوبی آبادی میں ریفرنڈم کروایا جائے گا کہ لوگ علیحدگی چاہتے ہیں یا اشتراک۔ حکومت اس امر پر مطمئن ہے کہ ۶ سال کے اشتراک و قربت کے بعد علیحدگی کے لیے کوشاں اندرونی اور بیرونی عناصر کی خواہش کے باوجود آبادی کی اکثریت ملک کی تقسیم کے خلاف رائے دے گی۔

اسی دوران میں ایک اہم ترین تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ اہلِ سوڈان کے لیے زمین نے اپنے خزانے اُگل دیے۔ پہلے بڑے پیمانے پر سونے کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ ۲۰۰۲ء تک خام سونے کی پیداوار ۵ ٹن سالانہ تک جا پہنچی۔ پھر کالے سونے، یعنی تیل کے نہ ختم ہونے والے خزانے دریافت ہوگئے۔ پہلے امریکی کمپنیاں تیل کی تلاش میں مگن رہیں اور ۴ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی لیکن پھر وہ اچانک سب کچھ لپیٹ کر واپس چلی گئیں۔ اس واپسی کی مختلف وجوہات بیان کی جاتی

ہیں لیکن مصدقہ اطلاعات کے مطابق: امریکیوں نے تیل کی دریافت کے بجاے سوڈان پر اقتصادی پابندیوں کا فیصلہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز سمجھا۔ پابندیاں عائد ہوگئیں، امریکی کمپنیاں نکل گئیں لیکن سوڈان نے مایوس ہونے یا ہتھیار ڈالنے کے بجاے چین کا رخ کیا۔ سوڈان چین اشتراک نے نہ صرف چین کو تیل کا ایک بڑا سہارا فراہم کیا بلکہ سوڈان کی قسمت بھی تبدیل کرنا شروع کر دی۔ سوڈانی ذمہ داران کے مطابق امریکیوں نے چین سے ہمارا اشتراک ناقابلِ تلافی جرم قرار دے دیا اور پہلے سے جاری سازشیں اور دباؤ ناقابلِ بیان حد تک بڑھنا شروع ہوگیا۔ القاعدہ، عالمی دہشت گردی اور نہ جانے کیا کیا الزام عائد کر دیے۔ جنوب کا جنگی محاذ مذاکرات و معاہدے کی منزلیں طے کرتا ہوا ٹھنڈا ہوا تو دارفور کو جہنّم زار بنا دیا گیا۔

● **صہیونی ہاتھ**: ہفت روزہ المجتمع نے ایک مفصل رپورٹ (۵ اپریل ۲۰۰۸ء) شائع کی ہے جس میں افراد، تنظیموں اور مقامات کے ناموں، اعداد و شمار اور دستاویزات کی مدد سے واضح کیا ہے کہ کس طرح صہیونی ریاست اس پورے بحران کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اس نے دارفور کے متصادم قبائل کو اسلحے اور سرمایے کے انبار فراہم کیے۔ سوڈانی حکومت نے اسرائیلی اسلحے کے کئی ذخائر پکڑے۔ اردنی اخبار العرب الیوم نے ان مختلف گرفتار شدگان کے انٹرویو شائع کیے جن کا تعلق دارفور سے تھا لیکن ان کے پاس اسرائیلی پاسپورٹ تھے۔ ان میں ایک صاحب کے براہِ راست تعلقات موساد کے سربراہ 'دانی یاتوم' کے چھوٹے بیٹے کے ساتھ تھے۔ گرفتار شدگان نے ان مختلف اسرائیلی ڈیلروں کے نام بھی بتائے جو انھیں دارفور میں اسلحہ پہنچاتے تھے۔

صہیونی لابی نے دارفور کے مسئلے کو دنیا کا سب سے سنگین مسئلہ ثابت کرنے کے لیے مؤثر اور مضبوط ابلاغیاتی، سفارتی مہم چلائی۔ واشنگٹن پوسٹ کے مطابق: صہیونی لابی نے صدر بش کو قائل کیا کہ وہ دارفور کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کریں اور ان کی بنیاد پر سوڈان پر پابندیاں عائد کریں (یکم جون ۲۰۰۷ء)۔ ان صہیونی کوششوں میں مختلف این جی اوز پر خصوصی توجہ دی گئی۔ واشنگٹن میں قائم غیر سرکاری تنظیم 'دارفور بچاؤ اتحاد' کا سالانہ علانیہ بجٹ ۱۵ ملین ڈالر رکھا گیا اور جو ظاہر نہیں کیا وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ ان تنظیموں کے ذریعے ایک ہی دن میں واشنگٹن سمیت ۱۸ مختلف امریکی شہروں میں مظاہرے کروائے گئے۔ اس صہیونی نفوذ کی تفصیل طویل ہے، لیکن نتیجہ یہی ہے

کہ جنوبی علیحدگی کی مضبوط بنیاد رکھ دینے کے بعد اب مغربی سوڈان کو الگ کرنے پر توجہ مرکوز کی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ مشرقی سوڈان کے مختلف قبائل کو بھی اُکسانے پر توجہ دی جارہی ہے۔

ان ہمہ پہلو سازشوں کا نتیجہ کیا نکلے گا...... یہ پردۂ غیب میں ہے، لیکن جو مظاہر دکھائی دے رہے ہیں، ان کے مطابق سوڈانی عوام اور حکومت کو آیندہ عرصے میں شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قواعد وضوابط کے مطابق عالمی عدالت کے ڈرامے کو کئی سال تک بھی طول دیا جاسکتا ہے۔ کڑی اقتصادی پابندیوں اور مسلح بغاوتوں کے ہتھیار بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ دارفور کے باغیوں اور حکومت میں شریک جنوبی اتحادیوں کے درمیان بھی 'رشتے ناطے' طے کروائے جاسکتے ہیں۔ ان تمام احتمالات و خدشات کے باوجود سوڈانی حکومت اور عوام کامل اطمینان سے سرشار ہیں۔ ان کے عزم وارادے میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی دیتی۔ ہر طرف سے بہ یک زبان کہا جارہا ہے کہ صدر عمر حسن البشیر کے لیے یہ آزمایش مزید عوامی تائید و حمایت کا موجب بنی ہے۔ انھوں نے آج پھر اعلان کیا ہے: ''تم سوڈانی شہریوں کو سپرد کرنے کا مطالبہ کر رہے ہو، خدا کی قسم! ہم اپنے کسی شہری کا ایک بال بھی تمھارے حوالے نہیں کریں گے''۔

۲۳ جولائی کو سوڈانی صدر نے دارفور میں ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کیا۔ الجزیرہ چینل پر تاحد نظر مردوں اور عورتوں کے سر ہی سر تھے۔ جوش و خروش کا ایک عالم تھا۔ نعرۂ تکبیر اور حسن البشیر اور دارفور کے نعرے لگ رہے تھے۔

ایک عوامی مظاہرے میں شریک خواتین سوڈانی لہجے میں کورس کی صورت میں گارہی تھیں:

ایھا الامیریکان...... لیکم تدربنا
بنور اللّٰہ ونور الایمان...... لیکم نسلحنا

امریکیو! ہم نے تمھارے مقابلے کے لیے ہی فوجی تربیت حاصل کی ہے، ہم نے خود کو اللہ اور ایمان کے نور سے مسلح تم سے مقابلے کے لیے ہی کیا ہے۔

تصحیح: —— جولائی کے شمارے میں صفحہ ۵۱ کی سطر ۱۹ میں دو ہزار ارب کو دو ارب پڑھا جائے۔
—— اسی شمارے میں صفحہ ۹۷ پر درست لفظ دفاعِ قانونِ توہینِ رسالتؐ ہے۔

'دشمن کا نام ہونا چاہیے'

ڈینیل پائپس/تبصرہ وترجمہ: سلیم منصور خالد

مغرب کے دانش ور حالیہ صلیبی جنگ کے اگلے مرحلے کے طور پر اب ان اداروں اور مسلم تنظیموں پر ہاتھ ڈالنے کے مشورے دے رہے ہیں جو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک نام ڈینیل پائپس (Daniel Pipes) کا بھی ہے۔ اس کے ایک تازہ مضمون The Enemy Has a Name کا ترجمہ دیا جا رہا ہے، جو مقبوضہ فلسطین کے یہودی اخبار یروشلم پوسٹ میں ۱۹ جون ۲۰۰۸ء کو شائع ہوا اور بعدازاں اس کی ویب سائٹ سے دوسرے حلقوں میں پہنچایا گیا، ترجمہ ملاحظہ ہو:

اگر آپ دشمن کو متعین طور پر نام نہیں دیں گے تو پھر آپ اسے شکست کیسے دے سکیں گے؟ بالکل اس طرح جیسے ڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مریض کے مرض کی تشخیص کرے۔ تاحال امریکا اپنے مخالفین میں سے دشمن کو متعین کرنے میں متردّد نظر آتا ہے۔

۲۰۰۱ء کے اواخر میں امریکی اعلیٰ حکام نے اس ضمن میں غیرمؤثر اور غیریقینی اعلامیے جاری کیے۔ وزیر دفاع رمزفیلڈ نے کامیابی کو اس امر سے منسوب کیا کہ: ''ہم ایسی فضا پیدا کرنا اور اس کا تحفظ چاہتے ہیں کہ جہاں ہم ہر قسم کی آزادی سے سانس لے سکیں''، جب کہ صدر بش نے کہا: ''ہم دہشت گردی کے عالمی نیٹ ورک کو شکست دینا چاہتے ہیں''۔ دراصل 'دہشت گردی کو شکست' دینا ہی اصل نصب العین اور ہدف ہونا چاہیے، جو تاحال حاصل نہیں ہوسکا۔ ماہرین کے بقول دہشت گردی بذاتِ خود کوئی دشمن نہیں بلکہ دشمن کی ایک جنگی چال کا نام دہشت گردی ہے۔ آخرکار صدر بش نے ۲۰۰۴ء کے وسط میں اعتراف کیا: ''ہم نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دشمن کا

درست نام نہیں لیا۔ دراصل یہ ان نظریاتی انتہا پسندوں کے خلاف جنگ ہے جو آزاد خیال معاشروں میں یقین نہیں رکھتے، اور جو آزاد خیال معاشروں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے دہشت گردی کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں''۔ اگلے برس برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیر نے ذرا وضاحت سے کہا: ''دشمن دراصل وہ مذہبی نظریہ ہے جو دنیا بھر میں اسلام کے نام سے موسوم ہے''۔ پھر اس کے بعد صدر بش نے تین اصطلاحیں استعمال کیں: 'اسلامی انقلابیت'، 'دہشت گردانہ جہادازم' اور 'اسلامی فسطائیت'۔ مگر ان اصطلاحوں پر سخت تنقید کے نتیجے میں بش ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ۲۰۰۷ء کے وسط میں صدر بش نے کہا: ''ہم اس دہشت گردی کے خلاف عظیم جدوجہد کر رہے ہیں، جو شرق اوسط کی سرحدوں سے باہر تک پھیل چکی ہے''۔ یہ ہے وہ موقف جس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے امریکی انتظامیہ اور اس کی ایجنسیاں 'موت کے فدائی، فرقہ واریت کے پرستار' دہشت کے متوالے جیسی غیر واضح اور مبہم اصطلاحوں کو استعمال کرتی ہیں۔

اصل میں یہ دشمن ایک واضح اور جامع نام رکھتا ہے اور وہ ہے: ''اسلام ازم، اسلام کے تخیلاتی پہلو کا انقلابی تصور، اسلام پرست آمرانہ نظریہ، کہ جو بھرپور مالی مدد سے اسلامی قوانین (شریعہ) کو عالمی اسلامی ضابطے کے طور پر نافذ کرنے کا خواب ہے''۔

اس مناسبت سے ہدف بڑا واضح ہے اور وہ یہ کہ: اسلام ازم کو شکست فاش دینا اور اسلام کی ایک متبادل شکل وضع کرنے کے لیے مسلمانوں کی مدد کرنا۔ یہ کام اتفاقیہ طور پر انجام دینے کی سوچ کے ساتھ نہیں بلکہ حلیف قوتوں کی مدد سے اسی جذبے کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس عزم کے ساتھ ماضی میں دو یوٹوپیائی انقلابی تحریکوں، یعنی فسطائیت اور اشتراکیت کو سبق سکھانے کے لیے بڑا مضبوط قدم اٹھایا گیا تھا۔

پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ اس نظریاتی دشمن کو ویسی شکست فاش دی جائے، جس طرح ۱۹۴۵ء اور ۱۹۹۱ء میں کیا گیا تھا۔ مراد یہ ہے کہ اس [اسلامی] انقلابی نظریے کی تحریک کو کمزور اور پھر نابود کر دیا جائے، تاکہ ان کے ہاتھوں دنیا کے ہلائے جانے کی دہشت کا خاتمہ ہو جائے۔ یاد رہے کہ دوسری جنگ عظیم [۱۹۳۹-۴۵ء] ہم نے خون، لوہے اور ایٹم بم کے ذریعے جیتی تھی، ایک تو یہ ماڈل ہوا۔ دوسرا ماڈل [اشتراکی روس سے] سرد جنگ جیتنے کا ہے، کہ جس میں جنگی دباؤ اور پیچیدہ

عمل کو بروے کار لایا گیا تھا، جس نے سوویت یونین کو پُرامن طور پر ریزہ ریزہ کر دیا۔

تاہم اسلامیت کے خلاف فتح پانے کے لیے مذکورہ بالا دونوں حکمت عملیوں کو بروے کار لانا ہوگا، جو بھرپور جنگ، جوابی دہشت گردی، جوابی پروپیگنڈا اور دیگر بہت سے ہتھکنڈوں پر مشتمل ہوگی۔ ماضی میں اس راہ پر چلتے ہوئے افغانستان سے طالبان کی حکومت کا صفایا کیا گیا تھا اور اب اگلے قدم کے طور پر ہمیں قانون پسند اسلامیان (Lawful Islamists) کو نشانہ بنانا ہے، جو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے تعلیمی، دینی، عدالتی، ابلاغی اور سیاسی اداروں میں کام کر رہے ہیں۔

ہمارا اگلا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ ہم ان مسلمانوں کی مدد کریں جو اسلامیان کے نقطۂ نظر کی مخالفت کرتے ہیں اور اسلامی طرزِ حکومت کے برعکس جدید طریقوں پر زندگی گزارنے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن یہ [روشن خیال] مسلمان ایک کمزور مخلوق ہیں اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہے۔ انھوں نے حال ہی میں تحقیق و جستجو کا کام شروع کیا ہے۔ وہ رابطے، ابلاغ، تنظیم، مالیات کی فراہمی اور متحرک ہونے کے لیے محنت سے کام کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ بہت تیزی سے اور مؤثر طریقے سے کرنے کے لیے ان روشن خیال مسلمانوں کو، غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی اور مالی سرپرستی کی ضرورت ہے۔ آخری تجزیے میں اسلامیت نے اہلِ مغرب کے سامنے دو چیلنج پیش کیے ہیں، اور وہ یہ کہ: بات صاف صاف کی جائے، اور فتح کے حصول تک جدوجہد جاری رکھی جائے۔

(www.danielpipes.org)

اس سامراجی یلغار کے راستے صاف کرنے کے لیے خود ہماری اقوام میں، ان کے بہت سے کارندے اپنا کام کر رہے ہیں۔ کبھی یہ کام سامراج کے ٹوڈی، قادیانی اور بہائی کرتے تھے، اب ان کے ساتھ 'روشن خیال' اور منکرین حدیث، طاقت کے سرچشموں پر قابض افراد بھی شریکِ کار ہیں۔ لاہور کے اخبار ڈیلی ٹائمز میں مذہبی آزادی، تقسیمِ ہند، فرقہ واریت، کلچرل آزادی، فری سوسائٹی کے نام پر جو کچھ چھپتا ہے، اس پر سوال اٹھانا 'آزادیِ صحافت' کے منافی قرار دیا جاتا ہے۔ اسی اخبار کے ایک بزرگ کالم نگار نجم سیٹھی نے لال مسجد کے سانحے (۱۰ جولائی ۲۰۰۷ء) کے تین روز بعد لکھا تھا کہ: ''اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کے سیکولر اور روشن خیال طبقے مولویوں

کے خلاف متحد ہو جائیں اور فوج کے ساتھ مل کر ان کا مقابلہ کریں‘‘۔

ڈینیل پائپس کے ارشادات پڑھیے، اور پھر ڈیلی ٹائمز، لاہور کے خصوصی نامہ نگار متعینہ نیویارک خالد حسن کی تائیدِ مزید ملاحظہ کیجیے، آپ کو تمام کردار حیرت انگیز طور پر ایک ہی آرکسٹرا کی دُھن پر رقصاں دکھائی دیں گے۔ انھوں نے ۳ جولائی ۲۰۰۸ء کو بطور ’وعدہ معاف گواہ‘ لکھا:

گیلپ سروے کے مطابق مسجدوں میں جانے والے مسلمانوں کے برعکس، مسجدوں میں نہ جانے والے مسلمان زیادہ تر دہشت گردی کے پشت پناہ ہیں‘‘۔ بے روزگار مسلمانوں کے برعکس وہ مسلمان زیادہ دہشت گردی کے پشت پناہ ہیں کہ جن کے پاس کُل وقتی ملازمتیں ہیں۔ ● یاد رکھیے، ناخواندہ مسلمان چاقوؤں اور تلواروں سے جہاد کریں گے ● خواندہ مسلمان بندوقوں سے جہاد کریں گے ● اعلیٰ فنی و سائنسی تعلیم کے حامل مسلمان ٹکنالوجی اور انٹرنیٹ کو بطور آلہ استعمال کر کے، جہادی نظریے کی تشہیر کر کے نئے ’مجاہدوں‘ کو بھرتی کریں گے ● تعلیم یافتہ مسلمان یہی کام اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر زیادہ وسعت سے کریں گے گویا کہ زیادہ پڑھا لکھا مسلمان، زیادہ مذہبی انتہا پسند ہوتا ہے، مطلب یہ کہ پڑھا لکھا فرد [مسلمان] زیادہ خطرناک ہوتا ہے‘‘۔

ایک وقت تھا کہ سازشیں کی جاتی تھیں۔ ان کو طشت از بام کرنا ہی ان کو ناکام کر دیتا تھا۔ لیکن اب تو کھلے عام مشورے ہوتے ہیں، پلاننگ کی جاتی ہے اور اعلان کر کے اس پر عمل کر دیا جاتا ہے۔ جس کو مٹانا ہے، اس کو بتا کر، جتا کر مٹایا جاتا ہے۔

اُمت مسلمہ جس مرحلے سے گزر رہی ہے، اصحاب فکر و نظر پر وہ عیاں ہے۔ دشمن کو پہچاننا ہمیں بھی چاہیے، اسے نام دیں، یا نہ دیں۔ ہمارا مسئلہ تو وہ کرم فرما ہیں جو دشمن کو دوست سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سب ان کو دوست سمجھیں۔ آنکھیں کھول کر، اُمت کے ماضی اور حال پر غور کر کے، مستقبل کے لیے ایسی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس پر پوری اُمت متحد ہو کر عمل کرے۔ ہمارا دشمن ہماری دعوت کا مخاطب بھی ہے، ہم اس کے لیے فکر کریں، اس کے لیے تدابیر کریں، ہر طرح کی تیاری رکھیں، اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرنے والا اور دلوں کو پلٹنے والا ہے۔

آئیے لوگوں کو روشنی کا تحفہ دیں!!!

رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات سے بے نور آنکھوں کو روشن کرنے میں ہماری مدد کریں۔

تعارف:

- غیر سرکاری، رجسٹرڈ فلاحی تنظیم
- پسماندہ اور دور افتادہ علاقوں میں آنکھوں کے علاج معالجہ کی بلا معاوضہ خدمات
- سفید موتیا کے آپریشن اور Lens ڈالنے کی سہولت
- افریقہ کے ممالک میں انسداد نابینا پن کے لیے خدمات
- 250 سے زائد ماہرین امراض چشم کی خدمات

تمام خدمات بلا معاوضہ

ہماری کارکردگی:

- پاکستان کے 35 اضلاع میں 187 فری آئی کیمپس کا انعقاد
- سوڈان، نائجیریا، مالی، صومالیہ، چاڈ، سینیگال اور سری لنکا میں 27 فری آئی کیمپ کا انعقاد
- پاکستان کی 7 مختلف جیلوں میں 10 فری آئی کیمپس اور 5 ہزار مریضوں کا معائنہ
- 3 لاکھ مریضوں کی آنکھوں کا معائنہ
- 28 ہزار سے زائد مریضوں کی آنکھوں کا آپریشن اور لینز کی پیوندکاری
- دارفور کی تاریخ کے پہلے آنکھوں کے ہسپتال کا قیام
- فلسطین، سوڈان اور مصر کے ہسپتالوں کے شعبہ امراض چشم میں جدید مشینری کی فراہمی
- خرطوم میں سوڈانی ڈاکٹروں کی جدید سرجری کی تربیت کے لیے ورکشاپ
- فلسطین، سوڈان، اردن، مصر اور سعودی عرب کے ماہرین امراض چشم کے لیے پاکستان میں جدید سرجری کی عملی تربیت کا اہتمام

آئندہ سال کے اہداف

- 50 فری آئی کیمپ کا انعقاد
- جیلوں میں 25 فری آئی کیمپ کا انعقاد
- 10 ہزار مریضوں کے آپریشن کا اہتمام
- افریقہ اور دیگر ممالک کے ڈاکٹرز کی عملی تربیت کا اہتمام

اپیل
برائے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات

اپنے عطیات مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرائیں

A/c Title: POB TRUST
A/c No. : 1591
Faisal Bank, Model Town Lahore.

Heritage: 0343 - 443 9229

3 لاکھ مریضوں کی آنکھوں کا معائنہ   28 ہزار سے زائد مریضوں کی آنکھوں کا آپریشن اور لینز کی پیوندکاری

آپ کے 2500 روپے ایک مریض کو نابینا پن سے نجات دے سکتے ہیں

برائے رابطہ:

ڈاکٹر انتظار حسین بٹ 0321 - 4488 124	ڈاکٹر محمد زاہد لطیف 0321 - 4488 123
ڈاکٹر کنور عثمان سعید 0321 - 4488 121	ڈاکٹر طاہر فاروق 0321 - 4488 120

POB TRUST
Prevention of Blindness

A Project of:
Pakistan Islamic Medical Association (PIMA)

516-B, Block - K,
Johar Town, Lahore - Pakistan.
Ph: 92-42-784 3536, 708 4109
www.pobtrust.org - info@pobtrust.org

اسلام آباد موٹر وے چکری انٹرچینج سے متصل

قرطبہ کارپوریشن کا عظیم الشان رہائشی منصوبہ

تعلیم یافتہ با شعور افراد کی بہترین بستی

دار السلام

دار السلام

پہلے سب کو دیکھیں پھر ہم سے خریدیں

قرطبہ سٹی کے قریب واقع تقریباً 30 سوسائٹیوں میں سب سے پہلے 120 فٹ ڈبل سڑک سید مودودی چوک پر واقع



قرطبہ کارپوریشن

آپ کے اپنے افراد کا قابل اعتماد ادارہ



محل وقوع

- مین ڈبل روڈ پر "سید مودودیؒ چوک" سے متصل۔
- چکری انٹرچینج اور مین چکری سٹاپ سے نزدیک ترین۔
- چکری کے مضافات کی تقریباً 30 سوسائٹیوں میں آئیڈیل لوکیشن
- اعلیٰ تعلیمی اداروں اور جدید سرکاری ہسپتال سے قریب۔
- مجوزہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے قریب۔

خصوصیات

- پُر فضا مقام، پُر سکون ماحول اور خوبصورت محل وقوع
- مجوزہ چکری انڈسٹریل اسٹیٹ میں روزگار کے مواقع
- اعلیٰ تعلیمی اداروں، ہسپتالوں اور کاروباری مراکز تک دسترس
- زرخیز اور ہموار سطح اراضی
- جدید سہولتوں سے آراستہ اور ... ریٹ سب سے کم۔

ہمارے تکمیل شدہ منصوبے

دارالسلام (فیز-1) موٹر وے چوک اسلام آباد

دارالسلام ٹل پور روڈ واہ کینٹ

قرطبہ ٹاؤن (فیز-1) چارسدہ روڈ پشاور

پشاور شہر سے متصل سب سے سستی سکیم متعارف کرانے کا اعزاز بھی قرطبہ کارپوریشن کو حاصل ہے۔ قرطبہ ٹاؤن ریکارڈ مدت دسمبر 2006 میں ایک فیز مکمل بک ہو چکا ہے جبکہ قرطبہ ٹاؤن فیز-II کی بکنگ جاری ہے۔

آسان طریقہ ادائیگی

300 روپے ماہانہ فی مرلہ قسط

سائز	کل قیمت	ایڈوانس	ماہانہ قسط
5 مرلے	250,000	25,000	1500
10 مرلے	500,000	50,000	3000
1 کنال	1000,000	100,000	6000

اکاؤنٹ نمبر ... قرطبہ کارپوریشن 79000026-3

حبیب بینک ... مری روڈ راولپنڈی



پلاٹ سائز

سائز پلاٹ 5 مرلہ 10 مرلہ اور ایک کنال — کمرشل پلاٹ، فی یونٹ 2 مرلہ قیمت 3 لاکھ روپے

قرطبہ کارپوریشن

USA

UMAR UMAR ABDUL
824 E9, ST # 6G, BROOKLYN NY
917-821-6149, 817-434-4456
islamedu-mediccom@yahoo.com

راولپنڈی آفس

محمد یونس صدیقی (مینیجنگ ڈائریکٹر)

12-B/1 سیکنڈ فلور تاج محل پلازہ سکستھ روڈ چوک مری روڈ راولپنڈی

فون: 051-4450320 موبائل 0321-5076010

پشاور آفس

صبیح الرحمٰن یوسفی (ڈائریکٹر)

سیکنڈ فلور حسین کمپلیکس بالمقابل جناح پارک (نزد فردوس سٹاپ) پشاور

موبائل 0321-5240933/0300-5988039

کراچی آفس

مولانا سلطان سید (ایریا مینیجر کراچی)

پلاٹ نمبر: N-629/30 شاہ لطیف بن قاسم ٹاؤن ملیر کراچی

موبائل: 0321-2300169 فون: 021-4102066

اخبارِ اُمت

ترکی میں حکمران جماعت پر پابندی؟

حافظ محمد ادریس

اسکارف کے مسئلے کے بعد، اب ترکی سے خبر یہ ہے کہ ۱۴مارچ کو ترکی کے چیف پراسیکیوٹر نے ۱۶۲ اصفحات پر مشتمل ایک فائل دستوری عدالت میں پیش کی اور پُرزور الفاظ میں عدالت سے درخواست کی کہ حکمران عدالت پارٹی سیکولر دشمنی میں تمام حدوں کو پھلانگ گئی ہے، اس پر پابندی لگائی جائے۔ یہ ۱۱رکنی دستوری عدالت وہ حتمی ادارہ ہے جس کے فیصلوں پر نظر ثانی نہیں ہوسکتی۔ اسی عدالت نے ۱۹۹۸ء میں نجم الدین اربکان اور ان کی رفاہ پارٹی کے خلاف فیصلہ دیا تھا جس میں ۹ ججوں نے فیصلے کے حق میں اور ۲ نے فیصلے کے خلاف راے دی تھی۔ کوئی بھی فیصلہ نافذ ہونے کے لیے ۶ ججوں کی حمایت ضروری ہوتی ہے۔ آج یہی نام نہاد عدالت اس نئے مقدمے کی سماعت کر رہی ہے جس میں درخواست کی گئی ہے کہ نہ صرف پارٹی پر پابندی لگائی جائے بلکہ وزیراعظم اور صدر سمیت عدالت پارٹی کے ۷۱ نمایاں سیاسی رہنماؤں پر سیاست میں حصہ لینا ممنوع قرار دے دیا جائے۔

ادھر عدالت میں مقدمہ زیرِ سماعت ہے اور ادھر فوج اس میں کھلم کھلا مداخلت کر رہی ہے۔ چیف آف اسٹاف جنرل یاسر بوکانت نے پریس میں ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا: ''ترکی کی سیکولر حیثیت مسلمہ ہے۔ برائی کے مراکز ترک دستور کے تقدس کو پامال کرنے میں مصروف ہیں''۔ عمومی خیال یہ ہے کہ دستوری عدالت منتخب حکومت کے خلاف فیصلہ صادر کردے گی لیکن اب حالات نصف صدی قبل سے کافی مختلف ہیں۔ ترک پارلیمان کے اسپیکر کوکسال توپتان نے انقرہ میں ۵ جون کو ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ دستوری عدالت کے لامحدود اختیارات محدود کردیے جائیں۔ ہمیں یک ایوانی پارلیمان کی جگہ دو ایوانی مقننہ کے بارے میں بھی

سوچنا چاہیے اور غیر منتخب اداروں کو ایوان کے تابع رکھنا چاہیے۔

اسپیکر کی اس بات کی حمایت میں بہت سے غیر جانب دار ماہرینِ دستور اور دانش ور بھی منظرعام پر آ گئے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سنتوب ترکی کے دستوری ماہر ہیں۔ انھوں نے کہا: ''یہ اعلیٰ عدالت ملک وقوم کے لیے ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ قانون ساز ادارے کے بارے میں عدالت کا فیصلہ بالکل بے وقعت ہے۔ دستوری ترامیم جب قواعد وضوابط کے مطابق پارلیمنٹ میں منظور ہو جائیں تو ان کے اجرا کو کوئی نہیں روک سکتا''۔ واضح رہے کہ ترکی کے دستور کی دفعہ ۱۴۸ کے مطابق: ''ریاست کا کوئی ادارہ پارلیمنٹ سے برتر نہیں ہوسکتا''۔

اسکارف پر پابندی ہٹانے کے خلاف سیکولر عناصر نے عدالت سے رجوع کیا تو عدالت نے اس پارلیمانی فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یونی ورسٹی کے قانون کے پروفیسر سیراب یزیجی نے کہا: ''یہ فیصلہ قانونی کم اور سیاسی زیادہ ہے۔ عدالت نے اسکارف پر پابندی لگا کر پارلیمنٹ بلکہ خود دستور پر بھی اجارہ داری حاصل کرنے کی کوشش کی ہے''۔

یہ بحث جاری ہی تھی کہ نئے واقعات رونما ہونے شروع ہوگئے۔ یکم جولائی کو دارالحکومت انقرہ میں پولیس نے چھاپے مار کر بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ۲۱ شدت پسند قوم پرست گرفتار کرلیے۔ ان میں دو معروف ریٹائرڈ جرنیل بھی شامل ہیں۔ ان پر الزام ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے منتخب حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کر رہے تھے۔ وزیراعظم طیب اردوگان نے ان لوگوں کو ارجن کون (Ergene Kon) سے متعلق قرار دیا۔ یہ تنظیم ترکی میں کافی بدنام ہے۔ اس سے پہلے بھی اس کے ارکان بم حملوں اور بڑی شخصیات کو قتل کر کے انقلاب برپا کرنے کے الزامات کے تحت گرفتار ہوتے رہے ہیں۔ ۱۶ جولائی کو ترکی ذرائع ابلاغ کے مطابق اس تنظیم کے مزید افراد گرفتار ہوئے جس سے گرفتارشدگان کی تعداد ۵۸ تک پہنچ گئی ہے۔ عدالتوں نے ان میں سے بعض کو جن میں ایک ریٹائرڈ میجر جنرل بھی شامل ہے، ضمانت پر رہا کردیا ہے۔ اس انتہاپسند تنظیم کی حمایت انجمن افکار اتاترک (Ataturk Thought Association) بھی کر رہی ہے جس کا صدر ایک ریٹائرڈ جنرل ایروگر (Eroger) ہے۔ وہ بھی گرفتار ہے اور ہنوز زیرحراست ہے۔

ان سطور کے شائع ہونے تک ممکن ہے کہ عدالت کا فیصلہ بھی منظرعام پر آ جائے۔ عدالت

کو فیصلہ کرنے میں جلدی بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدلیہ کے ججوں کا تقرر صدر کے اختیار میں ہوتا ہے۔ دستوری عدالت کے تمام جج سابق صدر احمد نجدت سیزر کے دورِ صدارت میں مقرر کیے گئے تھے۔ ان میں سے بعض کو اگلے سالوں میں ریٹائر ہونا تھا اور عمومی خیال یہ تھا کہ ان کی جگہ عبداللہ گل ایسے ججوں کو مقرر کریں گے جو کم از کم شدت پسند سیکولر نہ ہوں۔

بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق اردوگان حکومت نے اسکارف کا مسئلہ عجلت میں اور قبل از وقت چھیڑ کر اپنے لیے مشکلات پیدا کر لی ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن ترکی کی جدید تاریخ بتاتی ہے کہ مخالفین کے شر سے بالواسطہ ہمیشہ خیر برآمد ہوا ہے۔ اب بھی اگر عدالت اور ارتقا پارٹی پر پابندی لگتی ہے تو نیوزویک کے مطابق اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو جائے گا اور اگر عدالت پابندی نہیں لگاتی تو اس سے بھی عملاً حکومت کی جیت ہوگی اور اسے بالادستی مل جائے گی۔ اس ضمن میں ڈان ۵ جولائی کا ادارتی شذرہ اور ۷ جولائی کو اسی اخبار میں: 'ترکی میں جمہوریت کا معلق مستقبل' جو کہ گارجین لندن کے مضمون نگار ماؤرین فریلے (Maureen Freely) کا مضمون ہے، قابلِ ملاحظہ ہیں۔

نیوزویک کے تازہ شمارے (۲۱ جولائی) میں ترکش ڈیلی نیوز کے ڈپٹی ایڈیٹر اور مشہور تجزیہ نگار مصطفیٰ اکیول نے 'ترکی کے خلاف سازش' کے عنوان سے جو تجزیہ کیا ہے اس میں لادین عناصر کی شدید مذمت کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حکمران پارٹی اور اس کی قیادت پر پابندی کی صورت میں وقتی طور پر اگلی پارلیمان پھر معلق ہوگی اور نئی حکومتوں کو جرنیل اپنے اشاروں پر نچائیں گے، تاہم طویل المیعاد تناظر میں اردوگان کی پارٹی مزید مضبوط ہوگی۔

ہماری رائے میں حکمران پارٹی پر پابندی لگنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ اعلیٰ قیادت کو سیاست سے خارج بلکہ پابندِ سلاسل بھی کیا جاسکتا ہے۔ ترکی میں اب تک ۲۵ پارٹیوں پر پابندی لگ چکی ہے۔ ان میں زیادہ تر کرد یا کمیونسٹ تھیں۔ اس سے پہلے اسلامی پارٹی پر پانچ مرتبہ پابندیاں لگیں۔ اسلامی پارٹی واحد پارٹی ہے جس پر پابندیوں سے ہمیشہ عوامی تائید میں اضافہ ہوا ہے۔ اگر پابندی لگتی ہے تو یہ فیصلہ اور اس کے بعد کا منظر سیکولر طبقات کے لیے کچھ زیادہ خوش آیند نہیں ہوگا۔ ہم ترکی کے اسلام دوست حلقوں کو یہی پیغام دینا چاہتے ہیں کہ وہ صبر واستقامت اور حکمت کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں ع ''شرِّ برانگیزد عدو کہ خیر ما در آں باشد''۔

جامعہ مرکز علوم اسلامیہ

منصورہ ملتان روڈ لاہور

نئے سال کے داخلے

علوم عربیہ و اسلامیہ کے تمام درجات

ثانویہ عامہ ، ثانویہ خاصہ، عالیہ ، عالمیہ (دورۂ حدیث)

التخصص فی الفقہ الاسلامی والافتا ، تجوید و قرأت

۱۰ شوال سے ۲۵ شوال تک

داخلے کے شائقین اپنی درخواستیں مہتمم/ ناظم اعلیٰ جامعہ مرکز علوم اسلامیہ کے نام ارسال کریں

دورۂ حدیث، موقوف علیہ، عالیہ اور تمام درجات میں ماہر اساتذہ شیخ القرآن و الحدیث حضرت مولانا عبدالمالک کی زیرنگرانی تعلیمی وتدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

انگریزی زبان، عصری مضامین اور کمپیوٹر کی تعلیم کا بھی انتظام ہے

تقریر وتحریر کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے ہفتہ وار بزمِ ادب اور تربیتی پروگراموں کا انتظام ہے۔

دورۂ تفسیر حسب سابق ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ سے شروع ہوکر ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو مکمل ہوگا۔

شیخ القرآن والحدیث

حضرت مولانا عبدالمالک

فرائض تدریس سرانجام دیں گے۔

مخیر حضرات سے اپیل

جامعہ کی زیرتعمیر عمارات اور روزمرہ کے اخراجات میں تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں

المعلن: انتظامیہ جامعہ مرکز علوم اسلامیہ، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فون: 042-5419509 فیکس: 042-5432194

روزمرہ کے اخراجات کے لیے زکوٰۃ وصدقات وصول کیے جاتے ہیں۔ مرکز علوم اسلامیہ کو دی جانے والی رقوم انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

رسائل و مسائل

رسولؐ اللہ کے لیے لفظ 'حضور' کا استعمال

سوال: اپنے آس پاس بہت سی ایسی باتوں کا رواج دیکھتا ہوں جو مجھے بہت غلط لگتی ہیں اور بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حیرانی ہوتی ہے کہ اچھے اچھے ثقہ لوگ اتنی اہم باتوں کو کیوں نظرانداز کرتے ہیں۔ کچھ مثالیں لکھ رہا ہوں اور آپ سے رہنمائی کی توقع رکھتا ہوں۔

رسولؐ اللہ کے لیے حضور کا استعمال، اور اسی طرح آنحضور، آنحضرت، رسالت مآب، حضور انور، حضور اکرم، حضور پُرنور، حضور پاک، حضور اقدس اور کیا کیا۔ میرا سوال یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ قرآن میں ہیں اور نہ حدیث میں۔ رسولؐ اللہ اور نبی کہنا باعثِ ثواب ہے اور باقی گناہ۔

اسی طرح ہم لفظ 'خدا' اللہ کے لیے بولتے ہیں اور یہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں: خداوندِ اعلیٰ، خدائے رحمٰن، خدائے بحر و بر، خدائے بزرگ و برتر، خداوند قدوس، اس کے علاوہ بھی بہت سے الفاظ ہیں، مثلاً خدائے عزوجل، خدائے لم یزل، خدائے رحیم و کبیر، باری تعالیٰ، اُوپر والا وغیرہ۔

جو نام قرآن میں آتے ہیں، بس اللہ کے وہی نام ہیں۔ اس کے علاوہ استعمال کرنا گناہ ہے۔ ہمارا تو ترانہ بھی خدائے ذوالجلال پر ختم ہوتا ہے۔ اسی طرح رب کو پروردگار کہنا ہے۔ رب کے معنوں سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ لیکن ہم پروردگار کہہ کر گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ٹی وی کے پروگرام 'صوت القرآن' میں مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ اس طرح ہے: اے (اسمِ محمدؐ) آپ سے پوچھتے ہیں، اے (اسم محمدؐ) ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔ 'اے' تو تہذیب کے خلاف ہے۔ اس طرح تو بڑے چھوٹوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ اے کر کے بلانا سخت ترین گناہ ہے۔ اسی طرح پرویز الٰہی، رحمت الٰہی جیسے نام ہیں۔ مجھے بتائیں اس کے کیا معنی ہیں؟ لوگوں نے نام ایسے رکھے ہیں جو اللہ کے صفاتی نام ہیں، مثلاً کسی کو مجید، حمید یا قدیر کہنا یا غفور کہنا جیسا کہ ہمارے ہاں کہا جاتا ہے یہ کتنی غلط بات ہے۔ مجید نظامی، غفور احمد، ڈاکٹر قدیر خاں، رحمٰن ملک وغیرہ۔

ایک اور لفظ 'الٰہی' ہے جس کا بے محل استعمال اذیت کا باعث ہوتا ہے۔ الٰہی بھی ہم اللہ کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن رضائے الٰہی، قضائے الٰہی کی تکرار ہوتی ہے۔ (یہ ۶ صفحات پر مشتمل سوال کی تلخیص ہے)

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے القاب جو اہلِ علم و فضل اور علمائے دین کے ہاں مروج اور معروف ہیں ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ آپؐ کے لیے ہر جگہ نبی اور رسول کا لفظ ہی استعمال کیا جائے۔ آنحضور، آنحضرت، جناب کریم یہ سب الفاظ ادب کے ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے۔ کون سے الفاظ استعمال ہونے چاہییں اور کون سے نہیں، اس کا فیصلہ ہر آدمی نہیں کرسکتا۔ اس کا فیصلہ علما کر سکتے ہیں اور علمائے کرام اور مفتیان عظام اور نیک لوگوں اور بزرگانِ دین کے ہاں ان الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ 'خدا' کا استعمال بھی اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے اور علمائے دین نے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ یہ عربی زبان کے لفظ اللہ کا ترجمہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسما کا ترجمہ کرنا جائز ہے، جس طرح قرآن پاک کا ترجمہ جائز ہے۔ ترجمے میں لفظ اللہ کا ترجمہ بعض مفسرین نے لفظ 'خدائے' سے اس سبب سے کیا ہے۔

ٹی وی پروگرام 'صوت القرآن' میں مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپ کو اس پر اعتراض ہے حالانکہ ترجمے میں بعض مقامات اجتہادی ہیں۔ انھی مقامات میں سے وہ مقام بھی ہے، جن میں آپ کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس میں ایک صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے، جیسے آپ نے ترجمہ کیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اے محمدؐ کہہ کر خطاب کیا اور تیسری صورت وہ ہے جو

مولانا فتح محمد نے اختیار کی ہے، یعنی اے (اسم محمدؐ)۔ اس سے آپ اختلاف کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن ناجائز نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

الٰہی کے لفظ پر بھی آپ کا اعتراض بے جا ہے۔ الٰہی کا معنی اللہ والا ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں الٰہ تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا یہی معنیٰ ہے۔ رہی وہ مثالیں جو آپ نے پیش کی ہیں، ان میں بعض پر ہمیں بھی اعتراض ہے۔ ان میں پرویز الٰہی کا نام بھی شامل ہے۔ پرویز کو اللہ والا کہا جاتا ہے حالانکہ پرویز نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پھاڑا تھا۔ اس لیے یہ نام رکھنا مناسب نہیں ہے۔ ایسے بُرے آدمی کا نام کوئی رکھے گا تو خطرہ ہے، کہیں اس کی طرح نہ ہو جائے، جیسے کہ بعض لوگ آپ کے سامنے ہیں کہ وہ اسی پرویز کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ دین اور مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور نام بھی پرویز ہے۔ اس کے علاوہ باقی ناموں، مثلاً منظور الٰہی، رحمت الٰہی وغیرہ ناموں پر آپ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

بعض لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں۔ اصل نام کے بجاے نام کا اختصار کرتے ہیں۔ عبدالحمید کو حمید، عبدالمجید کو مجید، عبدالقیوم کو قیوم کہتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن جو نام اللہ کے لیے خاص نہ ہوں، ان ناموں کا دوسروں کے لیے استعمال ہو تو نامناسب ہونے کے باوجود گوارا ہے۔ اللہ اور رحمٰن یہ دونوں نام اللہ کے لیے خاص ہیں۔ واللہ اعلم! (مولانا عبدالمالک)

مختلف دن منانے کا رجحان

س: آج کل مختلف ایام منانے کا رجحان سامنے آیا ہے، مثلاً مدرز ڈے، ٹیچرز ڈے، سینیر سٹیزن ڈے، ویلنٹائن ڈے وغیرہ۔ یہ رجحان بنیادی طور پر مغرب ہی سے آیا ہے۔ دن منانے کی اس نئی روایت کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ کیا سرے سے اسے غیر مسلموں کا کام سمجھیں، یا موقع کے لحاظ سے فیصلہ کریں، نہ منائیں یا اپنا رنگ دیں؟

ج: مخصوص دن، وقت یا مواقع پر تقریبات اور مجالس و محافل کے انعقاد کا تعلق نہ کسی خاص مذہب سے ہے نہ کسی خطے سے۔ اگر دیکھا جائے تو دنیا میں جہاں کہیں بھی تہذیب کے آثار

پائے جاتے ہیں بعض مخصوص دن مذہبی یا غیر مذہبی رسموں کے لیے اجتماعی اور انفرادی طور پر منائے جاتے ہیں۔ پھولوں کا تبادلہ، مٹھائی تقسیم کرنا یا اپنی خوشی کے اظہار کے لیے چراغاں کرنا اور بعض تہذیبوں میں ناچ گانے اور مشروبات کا استعمال بھی مخصوص دنوں اور اوقات کے ساتھ وابستہ ہے۔

قرآن کریم نے تمام دنوں کو اللہ کے لیے یکساں قرار دیا، قدیم تہذیبوں کے اوہام و اساطیر پر مبنی تقدس کا رد کیا اور سال میں صرف دو دن ایسے قرار دیے جب باوقار انداز میں اللہ کے بندے اپنے رب کا شکر ادا کریں اور خالق کائنات کے نام کو بلند کرنے کے لیے اس کے حضور سجدہ ریز ہوکر اور بہ آوازِ بلند، اس کی عظمت و کبریائی اور اپنے عجز و عبدیت کو ظاہر کریں۔ چنانچہ رمضان المبارک کی ایک ماہ کی عبادت کی تکمیل پر اور حج مبرور کی ادایگی پر عالمی طور پر اپنی خوشی، خوش قسمتی اور بندگیِ رب کے اظہار کے لیے دو دن مقرر کر دیے گئے۔ ان دو دنوں کے دوران میں اپنے اہلِ خانہ، اعزہ و اقربا و احباب حتیٰ کہ اجنبی افراد کے ساتھ بھی اخوت و محبت و احترام کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے ان کی خاطر تواضع اور مہمان داری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

قرآن و سنت پر نظر ڈالی جائے تو جمعہ کا دن بھی وہ مقام نہیں رکھتا جیسا کہ یہودیوں نے سبت کو یا عیسائیوں نے یومِ احد یا اتوار کو دے کر آرام یا صرف عبادت کا دن قرار دے کر اختیار کرلیا۔ بلاشبہہ احادیث میں جمعہ کے دن کی فضیلت ہے لیکن نہ اس دن کام کی ممانعت ہے، نہ یہ آرام کرنے کا دن ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، یاد، تسبیح، تعظیم اور اس کے حضور نماز کی شکل میں شکر ادا کرنے کے بعد کاروبارِ حیات میں، اللہ کے ذکر کو تازہ رکھتے ہوئے، مصروف ہوجانے والا دن ہے۔

اگر دنوں کا کوئی تقدس ہوتا تو انبیاے کرام کے یومِ ولادت کو یہ مقام ضرور دیا جاتا اور سال کے ۱۲ مہینوں اور ۳۶۵ دنوں میں سے ناممکن طور پر ایک لاکھ ۲۴ ہزار سے زیادہ دن مقدس دنوں کے طور پر منائے جاتے۔ بالفرض تمام انبیاے کرامؑ کے ایامِ ولادت منانے مشکل ہوتے تو کم از کم انبیاے بنی اسرائیل جن کا ذکر سابقہ صحیفوں میں اور خود قرآن کریم میں پایا جاتا ہے ان کے حوالے سے ضرور کچھ دن مخصوص کر دیے جاتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا حتیٰ کہ سرورِ کائناتؐ کی ولادت باسعادت کو بھی صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین نے نہ چھٹی کا دن قرار دیا، نہ اسے مقدس

دن سمجھا۔ اس لیے کہ وہ قرآن کریم کے اس اصول سے آگاہ تھے کہ سب دن اللہ کے لیے ہیں کیونکہ وہی خالق اور مالکِ حقیقی ہے۔ لہٰذا ہمارے ہاں دن منانے کے اہتمام کی روایت نہیں ہے۔ البتہ اگر موقع کے لحاظ سے والدین یا استاد کو کوئی تحفہ دے دیا جائے تو اس کی کوئی ایسی ممانعت بھی نہیں۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیچرز ڈے ہو یا سینیر سٹیزن ڈے، مدرز ڈے ہو یا فادرز ڈے، مغربی تہذیب میں ان کی معاشرتی اہمیّت کے پیشِ نظر سال میں ایک مرتبہ انھیں پھولوں کا تحفہ دے کر یا ایک کارڈ بھیج کر اظہارِ تشکر اور ان کی اہمیّت کا اظہار کرنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ یہ اس سے تو بہتر ہے کہ پورے سال میں ایک مرتبہ بھی ان میں سے کسی کو یاد نہ رکھا جائے لیکن اگر واقعی ان کے احسانات کے پیشِ نظر ایسا کرنا مقصود ہے تو یہ سراسر تکلف ہے۔ والدین ہوں یا استاد، ان کا شکر تو اپنے اچھے اخلاق اور طرزِ عمل سے ہی ادا ہوسکتا ہے، جسے قرآن کریم عملِ صالح کہتا ہے۔ والدین اپنی محبت کے سایے میں ایسے وقت، جب اولاد قرآن کی زبان میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں ہوتی، اپنی توجہ اور تمام وسائل کو اس کی نشوونما اور تربیت پر لگا دیتے ہیں تو سال میں ایک دن تو کیا سال کے ہر دن، ان کا شکر و احترام کرنے کے بعد بھی کیا ان کا حق اور ان کا شکریہ ادا ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے والدین سے احسان کے رویے کی تلقین کی ہے اور ان کے ساتھ بے رُخی یا گستاخی پر سرزنش کی ہے۔

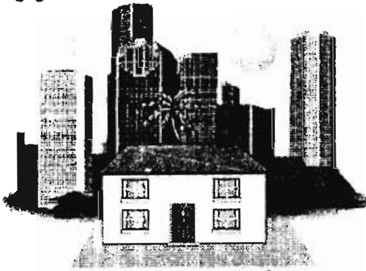
رہا ویلنٹائن ڈے یا اس قسم کے دیگر بے معنی دن تو حقیقت یہ ہے کہ ایسے دنوں کا تعلّق جاہلیت اور جاہلی تہذیب سے تو ہوسکتا ہے، اسلامی تہذیب و ثقافت میں ان کے لیے کوئی گنجایش نہیں۔ ایسے دنوں کا منانا دیگر اقوام کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور ان کی جاہلیت پر مبنی روایات کو اپنانا ہے۔ بسنت بھی اسی قسم کا تہوار ہے جس کا کوئی تعلّق مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت سے نہیں۔ یہ خالصتاً غیر اسلامی طریقہ ہے اور اس کا اختیار کرنا گمراہی کا باعث ہے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

QURTABA CREEK VALLEY GWADAR

احباب کی زبردست خواہش پر گوادر میں

قرطبہ کریک ویلی

کے نام سے
عظیم الشان
رہائشی و کمرشل
منصوبے کا اعلان



لوکیشن:

- ساحل سمندر سے ملحق ایک طرف جیوانی ایئر پورٹ اور دوسری طرف مشہور حسین وجمیل پکنک پوائنٹ کے قریب جہاں ایران اور بلوچستان سے لوگ چھٹیاں منانے آتے ہیں۔
- سائٹ سے دو پہاڑوں کے درمیان بہتے ہوئے سمندر کے پرلطف نظارے۔
- عالمی شہرت کے حامل Turtle Nesting پوائنٹ سے متصل۔



قیمت
محدود مدت کیلئے
45 ہزار روپے
فی مرلہ

چیک/ڈرافٹ بنام
قرطبہ کریک ویلی
فیصل بینک اقبال ٹاؤن برانچ،
اکاؤنٹ نمبر 142-2011115-001
کو ارسال کیجئے۔

5 ہزار روپے
فی مرلہ بھیج کر فوری
بکنگ کروالیں

31 اگست 2008 تک بکنگ کروانے والے احباب کو
100,000/- روپے فی ایکڑ کی خصوصی رعایت

سستے اور جھگڑوں سے پاک پلاٹ مہیا کرنے والا آپ کے اپنے احباب کا بااعتماد ادارہ

احباب ڈویلپرز

Marketing Office: Weal House, Faiz Road, Muslim Town Lahore.
Ph: +92-42-5846830, 5846831 Fax: +92-42-5847708, Saudia Office: +966-553868843
Raheel Ahmed: 0300-8422787 - 0300-4007661
Website: qurtabacreekvalley.com Email: info@qurtabacreekvalley.com

کتاب نما

The Plan for Eradication of Poverty in Pakistan: Without Government or Foreign Grants [پاکستان سے غربت کے خاتمے کا منصوبہ: حکومت اور بیرونی امداد کے بغیر]، محمدعبدالحمید۔ ناشر: بُک مین، الشجر بلڈنگ، نیلاگنبد، لاہور۔ صفحات (بڑی تقطیع): ۲۱۸۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

زیرتبصرہ کتاب پاکستان میں غربت کے خاتمے کے لیے ایک جامع پلان کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ضلعی حکومتوں کو اپنا رول ایک خاص حد تک ادا کرنا ہے، جب کہ بنیادی طور پر غربت کے خاتمے کا یہ تمام منصوبہ نجی کمپنیوں کے ہاتھوں تشکیل اور فروغ پائے گا۔ اس منصوبے کا لب لباب یہ ہے کہ شہری اور دیہی علاقوں میں ہر فرد اپنا کاروبار یا ملازمت حاصل کر سکے، ملک کا ہر شہری، دیہی یا شہری کی تخصیص کے بغیر ۱۵۰۰ مربع فٹ کے ایک فلیٹ کا مالک بن سکے جس کے لیے اسے ابتدائی طور پر صرف ۲۵۰۰ روپے کرایہ ادا کرنا پڑے اور زرعی زمین کی کم از کم ملکیت کو ساڑھے ۱۲ ایکڑ کی سطح تک لایا جاسکے جو کہ معاشی لحاظ سے مناسب رقبہ (economic size) ہے۔

مصنف نے مندرجہ بالا اہداف کے حصول کے لیے ایک جامع تحریر لکھی، جو کہ ان کے موضوع پر گرفت کو ظاہر کرتی ہے اور مصنف کی اپنے گردوپیش کے حالات پر گہری نظر کو ظاہر کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری قانون سازی کے لیے ڈرافٹ بھی کتاب میں شامل ہیں۔ مصنف کے خیال میں یہ پلان اگر نافذ کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں بہت بڑی معاشی سرگرمی فروغ پذیر ہوگی اور سماجی ڈھانچے میں ایک بہت بڑی تبدیلی وقوع پذیر ہوگی۔

کتاب کو پڑھتے ہوئے قاری اپنے آپ کو ایک تصوراتی دنیا (utopia) میں پاتا ہے، جس کے لیے ایک تصوراتی محل کھڑا کیا گیا اور اس محل کی ایک ایک تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں تصورات (concepts) پیش کیے جاتے ہیں اور لوگ ان پر غوروفکر

کر کے عمل کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ کبھی مکمل طور پر اور کبھی جزوی طور پر کچھ باتوں کو لے کر عمل کی دنیا میں اس پر عمارات کھڑی کی جاتی ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب ایک قابلِ قدر کاوش ہے۔

کچھ باتیں اس میں محلِ نظر معلوم ہوتی ہیں، خاص طور پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب مسئلہ ملکیت زمین کو موضوع بحث بنا کر اس کا تنقیدی جائزہ اضافی نظر آتا ہے۔ پاکستان جیسے ملک اور پاکستانی طرزِ معاشرت کے لیے جو منصوبہ پیش کیا گیا ہے وہ ہمارے ہاں بظاہر بہت کامیاب ہوتا نظر نہیں آتا۔ کاروباری مقاصد کے لیے وسائل کی فراہمی کے لیے آج تقریباً تمام ادارے بنکوں کے قرض پر انحصار کرتے ہیں۔ نجی کمپنیاں اپنے پاس سے رقوم کیوں کر خرچ کریں گی، جب کہ وہ فیکٹریاں اور منافع بخش ادارے قائم کرنے کے لیے بھی بنکوں کے قرض پر انحصار کرتی ہیں۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے سوالات اُٹھنے کے باوجود کتاب قابلِ قدر ہے اور معیشت دانوں اور فیصلہ سازوں کے لیے ایک رہنما کتاب ہے۔ (پروفیسر میاں محمد اکرم)

تحفة الائمة، محمد حنیف عبدالمجید۔ ناشر: بیت العلم ٹرسٹ، جی-۳۰، اسٹوڈنٹ بازار نزد مقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی۔ فون: ۲۷۲۶۵۰۹۔ صفحات: ۷۸۲۔ قیمت (مجلد): ۳۵۰ روپے۔

ائمہ مساجد کا حقیقی مقام معاشرے کے قائدین کا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب انھوں نے اپنا یہ مقام عموماً کھو دیا ہے اور وہ صرف دو رکعت کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی نظام قائم ہو تو حکمران مساجد میں نماز کی امامت کریں لیکن موجودہ نظام میں تو یہ حال ہے کہ اگر موجودہ حکمران امامت کے مصلے پر آجائیں تو مقتدی مسجد خالی کر دیں۔ معاشرے کی قیادت اور امامت میں یہ دُوری دورِ زوال اور دورِ غلامی کا نتیجہ ہے۔ اب وقت کا تقاضا ہے کہ مسجدوں کے امام، جو کوئی بھی ہیں، اپنے بلند مقام سے آگاہ ہوں اور اس کے مطابق طرزِ عمل اختیار کریں۔ تحفة الائمة محمد حنیف عبدالمجید کی ایک ایسی نہایت بھرپور اور مؤثر کاوش ہے جس میں ائمہ مساجد کی صفات، ان کے لیے نصائح اور وعظ کے آداب پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان کی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔ کافی اچھی بحث اس مسئلے پر ہے کہ آئمہ کرام کا دائرہ صرف مسجد نہیں ہے، بلکہ مسجد سے باہر کا معاشرہ بھی ہے جس میں انھیں دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ادا کرنا چاہیے۔

وحدت اُمت کے حوالے سے بھی بہت مناسب اور پُر زور توجہ دلائی گئی ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب کا مضمون اس حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ تاریخ سے مثالیں دی گئی ہیں کہ افتراق و انتشار نے اُمت کو کیا نقصان پہنچایا ہے۔ مذاہب اربعہ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ جن چند مذموم صفات کی بنا پر ان میں دشمنی اور بُغض مستحکم ہوگیا ہے: ''ان صفاتِ مذمومہ میں سے ایک صفتِ مذموم مذہبی تعصب، جہالت اور اپنی غلط بات پر ڈٹ جانا ہے''۔ (ص ۵۴۰) مقتدیوں کی تربیت کیسے کی جائے؟ اس پر بھی بہت وسیع دائرے میں کلام کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں نماز کے آداب، نماز پڑھنے کا درست طریقہ، مسجد کے آداب، صف بندی کے آداب سبھی کچھ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ائمہ کرام کے مطالعہ کے لیے کتب کی فہرست دی گئی ہے۔ ساتھ ہی مقتدیوں کے لیے، ان کے اہلِ خانہ کے لیے اور انگریزی پڑھنے والے مقتدیوں کے لیے فہرست کتب دی گئی ہے۔

ہم اپنی مساجد میں اچھے اچھے ائمہ کو دیکھتے ہیں جو نماز پڑھانے سے زیادہ اپنا کوئی کام نہیں سمجھتے۔ مقتدیوں کی تربیت سے ان کو واسطہ نہیں اور معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بھی عموماً وہ آنکھیں بند رکھتے ہیں حالانکہ یہ ان کا اصل میدانِ کار ہے۔

محمد حنیف عبدالمجید صاحب نے ۸۲۷ صفحے کی اس کتاب میں موضوع کے ہر پہلو پر نہایت دل نشین انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ معیاری سفید کاغذ پر روشن اُجلے حروف قاری کو پڑھنے میں آسانی فراہم کرتے ہیں۔ دوسری طرف کتاب میں بلاتکلف آٹھ آٹھ دس صفحے عربی کے بلاترجمہ نقل کیے گئے ہیں اس لیے کہ مصنف کے نزدیک پڑھنے والے اہلِ علم ہیں (شاید انھیں اہلِ علم کے مبلغ علم کا اندازہ نہیں)۔ لکھنے والے تو ابھی تک 'ان کو' کے بجائے 'انکو' لکھ رہے ہیں اور یہاں دوسری طرف انتہا یہ ہے کہ بلکہ کو 'بل کہ' لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب جہاں ائمہ کے لیے تحفہ ہے، پڑھنے والے مقتدیوں کے لیے بھی تحفہ ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ کتاب کا ضخیم ہونا قارئین کی تعداد کم کر دیتا ہے، لیکن مصنف اپنے اہلِ علم سے خوش گمان ہیں اس لیے کہ انھوں نے اطمینان سے ہر موضوع پر کلام کیا ہے اور ضخامت کی پروا کیے بغیر کیا ہے۔

بیت العلم ٹرسٹ کی جانب سے گذشتہ عرصے میں کئی مفید چیزیں آئی ہیں: تحفۂ دلہن،

تحفۂ دلہا، مثالی ماں، مثالی باپ، مثالی استاد۔ بچوں کے لیے ۳۶۵ کہانیاں (۳جلدیں) اور ماہنامہ ذوق و شوق۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کی ان کوششوں کو قبول کرے، ان میں برکت ڈالے اور مسلمانوں کے دل اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے کھولے۔ (مسلم سجاد)

غزواتِ نبویؐ کے اقتصادی پہلو، پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ ناشر: مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: ۱۴۰

زیرتبصرہ کتاب میں فاضل مصنف نے غزواتِ نبویؐ اور سرایا کے نتیجے میں مدنی معیشت پر مرتب ہونے والے معاشی اثرات کے جائزہ لیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مدنی معیشت میں ان غزوات و سرایا کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کا بہت تھوڑا حصّہ بنتا ہے اور مدنی معیشت کا انحصار اس مالِ غنیمت پر نہ تھا بلکہ دوسرے ذرائع آمدن مثلاً زکوٰۃ، صدقات، لوگوں کی طرف سے رضاکارانہ رقوم کی فراہمی وغیرہ پر تھا۔ مصنف نے مستشرقین کی طرف سے اٹھائے گئے ان اعتراضات کا جواب دینے کے لیے عربی، اُردو اور انگریزی میں لکھی گئی کتب اور رسائل سے نتائج اخذ کرتے ہوئے کتاب میں حوالے بھی درج کر دیے ہیں۔

فاضل مصنف نے آغاز میں کتبِ مغازی کے سلسلہ میں اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے مغازی کے موضوع پر لکھی گئی کتب اور ان کے عرصۂ اشاعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد غزوات نبویؐ اور سرایا (جن لڑائیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہ تھے) کا سال بہ سال جائزہ پیش کیا ہے، ان غزوات و سرایا سے حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت، قیدیوں اور دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور ان غزوات پر آنے والے مصارف کا بھی تجزیہ پیش کیا ہے (ص ۱۱۷ تا ۱۲۱)۔ اسی طرح جنگی قیدیوں پر اٹھنے والے مصارف، اور دیگر جانی و مالی نقصانات پر بحث کی ہے (ص ۱۲۱ تا ۱۲۵)، جب کہ مدنی معیشت کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کیا ہے۔ (ص ۱۲۶ تا ۱۴۱)

کتاب میں مختلف کتب و رسائل کے متعلق تعلیقات وحواشی (ص ۱۴۲ تا ۲۰۸) بہت اچھا اضافہ ہے۔ غزوات و سرایا کا ایک نظر میں جائزہ لینے کے لیے مختلف غزوات کا گوشوارہ (ص ۲۰۹ تا ۲۲۴) بنایا گیا ہے، جس میں غزوہ یا سرایہ کا نام، سال و ماہ، مسلمانوں اور کافروں کی تعداد اور

ان کے قائدین کے نام اور نتائج بیان کیے گئے ہیں۔

اپنے موضوع کے حوالے سے یہ کتاب اپنی طرز کی اچھوتی کتاب ہے، جو کہ فاضل مصنف کی محنتِ شاقہ اور تحقیقی ذہن کی عکاسی کرتی ہے، اور مستشرقین کے اعتراضات کا ایک شافی جواب ہے۔ (م - م - ا)

شیطانی ہتھکنڈے (صحیح تلبیس ابلیس) تالیف: علامہ ابن جوزیؒ۔ انتخاب و تحقیق و تخریج: علی حسن علی عبدالحمید تلمیذ رشید علامہ ناصرالدین البانیؒ، ترجمہ: سلیم اللہ زمان۔ ناشر: دارالابلاغ، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۶۲۴۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔

خیروشر اور نیکی و بدی کی جنگ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ شیطان اپنی تمام ترفریب کاریوں، عیاریوں، مکاریوں اور اکساہٹوں کے ساتھ مورچہ زن ہے۔ مگر قرآن و حدیث سے اس کے ہتھکنڈوں سے بچنے کے لیے وسیع رہنمائی ملتی ہے۔ امام ابن جوزیؒ نے شیطان لعین کی دسیسہ کاریوں، فریب کاریوں اور دھوکے بازیوں پر جامع کتاب تالیف کر کے اُمت کو شیطان لعین کے حملوں سے بچانے کے لیے سامان فراہم کیا ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں اس کے متعدد اڈیشن چھپتے رہے، اب مکتبہ دارالابلاغ نے 'تلبیس ابلیس' کا نیا رواں اور شُستہ ترجمہ اغلاط سے پاک کمپوزنگ کر کے شائع کیا ہے۔ ترجمے کے لیے علامہ ناصرالدین البانی کے شاگرد رشید علی حسن عبدالحمید کا ترتیب دیا ہوا نسخہ پیش نظر رکھا گیا۔ علی حسن علی عبدالحمید نے تخریج کرتے ہوئے صرف صحیح احادیث کا انتخاب کیا، جب کہ ضعیف احادیث یکسر خارج کر دیں۔

امام ابن جوزیؒ ایک بلند پایہ عالم دین، محدث، مؤرخ، واعظ اور مربی تھے۔ انھوں نے ۱۷۸ اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، ان کی تصانیف کی تعداد ۲۵۰ کے لگ بھگ ہے۔ زاد المسیر کے نام سے قرآن کی تفسیر لکھی اور پہلے مفسر کہلائے۔ حنبلی مسلک پر سختی سے عمل پیرا ابن جوزی، فرائض و احکامات کے معاملے میں خود بڑے سخت اور متشدد تھے۔ انھوں نے تلبیس ابلیس میں روایات لینے کے سلسلے میں خاص احتیاط کا اہتمام کیا اور ثقہ روایات لیں۔ ترغیبات و ترہیبات کے

ضمن میں ضعیف روایات لے لی جاتی ہیں، صحاح ستہ میں فضائل کے باب میں ضعیف اور کمزور روایات موجود ہیں جو تذکیر کے لیے نقل ہوتی ہیں۔ کمزور اور ضعیف روایات کو تلبیس ابلیس سے خارج کر کے کتاب کی چاشنی کو کم کردیا گیا اور اس طرح اس کا دائرہ بھی محدود کردیا گیا، میرے خیال میں اس ضمن میں درمیانی راہ نکالنی چاہیے تھی، تاکہ اصل کتاب کا حُسن برقرار رہتا۔ (عمران ظہور غازی)

تعمیر شخصیت کے رہنما اصول، حافظ محمد ہارون معاویہ۔ زم زم پبلشرز، شاہ زیب سنٹر، نزد مقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۵۲۰۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

عموماً کسی شخص کے ظاہری خدوخال، بول چال اور چال ڈھال سے اس کے بارے میں ایک رائے قائم کی جاتی ہے۔ شخصیت دراصل ان منفرد اوصاف کی میکانکی تنظیم اور وحدت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو عطا کیے ہیں۔ شخصیت کی تعمیر میں جہاں ارثی اور ماحولیاتی عناصر کا کردار نمایاں ہوتا ہے وہاں فرد کے خیالات اور سوچ کے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔

مصنف نے شخصیت کے تعمیراتی عناصر اور اصولوں کا مطالعہ، مختلف ماہرین نفسیات اور علما کی آرا کی روشنی میں کیا ہے اور پھر اپنے مشاہدات اور تجزیے سے ان اصولوں پر بحث کی ہے جن سے شخصیت کی تعمیر و ترقی ممکن ہے۔ ان کا خیال ہے تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ رہنے کے بجاے ایک فرد اپنے اندر خوداعتمادی، قوتِ فیصلہ، قوتِ ارادی، غوروفکر اور عزم و ہمت جیسے اوصاف کو بیدار کرلے تو وہ پسندیدہ اور کامیاب زندگی بسر کرسکتا ہے۔ زندگی کا نصب العین چونکہ زندگی کا رُخ متعین کرتا ہے، اس لیے ایک فرد کی زندگی کا مرکز و محور یہی قرار پاتا ہے، اور یہی باقی اوصاف کو بیدار کرنے کے لیے تحریک پیدا کرتا ہے۔

کتاب میں ۱۱۶ ایسے بنیادی اصولوں پر بحث کی گئی ہے جو شاہراہِ حیات پر کامیابی کے سفر کے لیے مفید ہیں۔ شخصیت کی تعمیر اور کیریئر پلاننگ کے لیے ایک مفید کتاب ہے۔ اسلوبِ بیان سادہ اور پُرکشش ہے۔ (عبداللہ شاہ ہاشمی)

ٹال مٹول کی عادت سے نجات، ریٹا ایمٹ، مترجم: حافظ مظفر حسن۔ ناشر: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، غزنی سٹریٹ، الحمد مارکیٹ، ۴۰-اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۲۲۳۵۸۴۔ صفحات: ۲۶۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے

لیت و لعل اور ٹال مٹول کی عادت ایک عادتِ بد ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی زندگی میں بے حد نقصان اٹھاتا ہے۔ ٹال مٹول کی عادت کسی بھی انسان کو وراثت میں نہیں ملتی اور نہ یہ عادت انسان کی شخصیت اور کردار کا حصہ ہی ہوتی ہے۔ یہ محض ایک عادت اور رویہ ہے اور یہ عادت انسان کی زندگی پر بُرے اثرات مرتب کرتی ہے جس کی وجہ سے انسان دباؤ اور تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ نتیجے کے طور پر اس کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

مصنفہ نے انسان کے خوف و ہراس میں مبتلا ہونے کی ممکنہ وجوہات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ کون کون سے خوف اور خطرات ہیں، جو انسان کی راہ کی دیوار بنتے ہیں اور ان سے کیسے نبٹا جاسکتا ہے۔ پھر بہتر زندگی گزارنے کے لیے کام کو بروقت اور منصوبہ بندی کے تحت سرانجام دینے کے بہت سے گُر بتائے ہیں۔ مختلف لوگوں کی ذاتی زندگیوں کے تجربات کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔ منظم، بھرپور اور متحرک زندگی گزارنے کے لیے اہم اصولوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مترجم نے Stop Procrastinating کا ٹال مٹول کی عادت سے نجات خوب صورت ترجمہ کیا ہے۔ وقت کی قدر و قیمت جاننے، اپنے معمولات کو بے ترتیب ہونے سے بچانے اور منصوبوں کو احسن طریقے سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ مفید رہنمائی ہے۔ (محمد الیاس انصاری)

رو بہ زوال امریکی ایمپائر، حامد کمال الدین، ناشر: مطبوعات ایقاظ، ۶-اے ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور۔ صفحات: ۱۲۱۔ قیمت: ۱۰۰ روپے

دہشت گردی کی نام نہاد امریکی جنگ نے عالم اسلام کے اصحاب دانش کو بھی غور و فکر کے نئے دوراہوں پر لا کھڑا کیا ہے۔ مغرب کی اس نئی اور کھلی جارحیت کے پس منظر اور داعیے کو سمجھنے سمجھانے کی بحث زوروں پر ہے۔ فاضل مصنف نے ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ فارس تمھاری ایک ٹکر ہوگا (یا بڑی حد) دو۔ پھر فارس کو اللہ مفتوح کرادے گا مگر روم کے

کئی سینگ ہوں گے۔اس کا ایک سینگ ہلکان ہوگا تو نیا سینگ نکل آئے گا۔

خلاصۂ استدلال یہ ہے کہ موجودہ امریکن ایمپائر اپنے یونانی و رومی پس منظر کے ساتھ بنی الاصفر (سلطنت روم) ہی کا تاریخی تسلسل ہے۔ مغربی تہذیب کا یہ امام، یونان کی لادینیت، رومن ایمپائر کی قبضے کی ہوس اور موجودہ مسخ شدہ عیسائیت کی شرک و بدعملی کا حقیقی وارث ہے۔ مصنف کے مطابق رومیوں کے ورثا کی اسلام کے ساتھ یہ جنگ اپنی شکلیں تو تبدیل کرتی رہی ہے لیکن تھمی کبھی نہیں۔انجام کار کامیابی یقیناً عالم اسلام کا مقدر ہے لیکن اس کے لئے صحیح حکمت عملی، اورشرعی ضوابط کا مکمل التزام ناگزیر ہے۔کتاب دہشت گردی کے خلاف جنگ کے پس منظر میں لکھے جانے والے لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔(حافظ محمد عبد اللّٰہ)

تعارف کتب

◉ قرآن کی دو عظیم سورتیں، محمد شریف بقا۔علم و عرفان پبلشرز، ۳۴-اُردو بازار، لاہور۔صفحات: ۹۶۔ قیمت: ۷۰ روپے۔[سورۂ رحمٰن اور سورۂ یٰسین کا ایک مطالعہ، اس طرح کہ عربی متن کے حصوں کے بعد آیت وترجمہ، پھر الفاظ کے معنی، پھر بنیادی نکات۔ بنیادی نکات میں نفسِ مضمون آجاتا ہے، تشریح وتوضیح نہیں۔ ان سورتوں کے مضامین سے آگاہ کرنے کی ایک اچھی کوشش ہے۔طباعت کا کم تر معیار نظروں کو جچتا نہیں۔]

◉ رسولوں کی کہانی، قرآن کی زبانی، محمد صدیق تہامی۔ ملنے کا پتا: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔ صفحات: ۶۱۔ قیمت: ۸۰ روپے۔[بچوں کے لیے قرآنی قصص پر بہت سی کہانیاں دستیاب ہیں لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ پہلے نبی حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیا کے قصص دل چسپ پیرایے میں ایک مسلسل کہانی کے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت، انبیا کی سیرت و کردار، ان کا مشن اور لازوال قربانیاں، غلبۂ حق کے لیے جدوجہد، اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور ایک مسلمان کے کردار کا نقش بچوں کے ذہن میں بیٹھتا چلا جاتا ہے جو آگے چل کر ان کی تعلیم و تربیت اور سیرت و کردار کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ بچے خود پڑھیں یا مائیں چھوٹے بچوں کو سلاتے وقت سنائیں۔بچوں کے ادب میں مفید اضافہ۔]

مئی ۲۰۰۸ء کے شمارے میں Granny Nam Tells the Story پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔ بچوں کے لیے باتصویر قرآنی کہانیوں کے تین حصے محترمہ نصرت محمود نے لکھے ہیں۔ ملنے کا پتا: J-191، ڈی ایچ اے، سیکٹر ای ایم ای، ایسٹ کینال بنک، لاہور، فون: 7511655۔ قیمت: 300 روپے علاوہ ڈاک خرچ

مدیر کے نام

ڈاکٹر محمد شکیل 'لاہور

مادہ پرستی کے اس دور میں ایک مسلمان کے لیے تزکیۂ نفس، ذاتی اصلاح اور شیطان کے شر سے بچنے کی اشد ضرورت ہے۔ 'اصل مسئلہ اخلاق' مولانا مودودیؒ کا مضمون: 'ایک دوسرے کے لیے کدورت' اور محمد یوسف اصلاحی کا 'گناہ گار سے نفرت نہیں، اصلاح' (جولائی ۲۰۰۸ء) اس ضرورت کو کماحقہٗ پورا کرتے ہیں۔ 'دوسروں پر تنقید اور اپنے آپ کو بھول جانا' ہر ایک کا وطیرہ بنتا جا رہا ہے۔ آج کی اسلامی و اصلاحی تحریکوں میں افراد کے مابین اسلام کے اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہونے اور اخلاقی برائیوں، مثلاً بُغض و حسد، بدخواہی و بدگمانی، غیبت و بہتان وغیرہ سے بچنے کے لیے ایسے مضامین کی اشاعت مفید ہے۔

ارشد علی آفریدی 'خیبرایجنسی

'پاکستان کے حالات: تبدیلی کس طرح؟' (جولائی ۲۰۰۸ء) میں خرم مرادؒ نے تبدیلی کا حقیقی راستہ دکھایا ہے۔ مسئلہ اس پر چلنے کا ہے۔ پاکستانی معاشرے کے جن روحانی امراض کا ذکر کیا ہے اُن میں آج شدت سے اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ ملک جس میں قانون نافذ کرنے والا خود مجرمانہ ذہنیت رکھتا ہو اور ملک کا دستور مسلسل پاؤں تلے روندتا ہو، حکمران طبقہ عدل و انصاف کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہو، امن و سلامتی، مساوات، صبروتحمل، ایثار و ہمدردی، اخلاص و شرافت کم یاب ہوں تو ان حالات میں صرف چہروں کی تبدیلی سے حالات بہتر نہیں ہو سکتے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے افکار و خیالات پر نظرثانی کریں، اپنے رویوں میں تبدیلی لائیں، مثبت سوچ اپنائیں۔ اپنے دلوں سے مادیت اور مغرب کی مرعوبیت کو کھرچ ڈالیں اور اپنے دامن کو نورِ ایمان، ذکر و عبادت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مزین کریں۔ تب ہی ہم ایک باعزت قوم بن کر اُبھر سکتے ہیں۔

محمد صہیب عمر 'کراچی

'اولیول کی اسلامیات میں فرقہ واریت' (جولائی ۲۰۰۸ء) کے حوالے سے آپ کے شذرہ نگار کی حکومت سے اپیل پڑھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔ ہماری حکومت بلوچستان اور قبائلی علاقوں میں اپنی رٹ نافذ کرنے سے فارغ ہو، تو پھر ان اداروں پر اپنی رٹ نافذ کرے۔ دراصل اربابِ حکومت اتنی اہم ذمہ داریوں، یعنی کرسیوں کو سنبھالنے میں لگے ہوئے ہیں کہ کہاں کیا پڑھایا جا رہا ہے، اس سے انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے بھی ان کی نظروں میں تو لیول امتحانات لینے والے اس قوم کے محسن ہیں۔ پاکستان پر ان اداروں کی رٹ نافذ ہے، جو چاہیں، پڑھائیں۔

ملک نواز احمد اعوان 'کراچی

بہت عرصے بعد 'مابعد جدیدیت کا چیلنج اور اسلام' (جولائی ۲۰۰۸ء) جیسا مضمون ترجمان میں پڑھنے کو ملا۔ آپ نے اسے مکمل شائع نہ کر کے بڑا ظلم کیا۔ اس کی خاطر کوئی بھی دوسرا مضمون روکا جاسکتا تھا۔ اب دوسری قسط کا انتظار ہے!

چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ 'گوجرانوالہ

'پیپلز پارٹی کا دستوری تماشا' (جولائی ۲۰۰۸ء) بھرپور اور متوازن تجزیہ ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی تحسین پر مجبور ہوں۔ البتہ حکومتی بددیانتی (ص۱۳) کے لیے الفاظ کے استعمال میں احتیاط کی ضرورت تھی۔

نسیم احمد 'اسلام آباد

'جاپان میں اسلام پر تازہ تحقیقات' (جون ۲۰۰۸ء) پڑھا۔ ایک خوش گوار حیرت ہوئی کہ اس دورافتادہ سرزمین (Land of Rising Sun) میں اسلام کس طرح پہنچا! وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں کے بارے میں معلومات بہت کم ہیں۔ اس پر بھی کوئی تحریر دیں۔

محمد زبیر 'لاہور

'جاپان میں اسلام پر تازہ تحقیقات' (جون ۲۰۰۸ء) پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت معلومات ملیں۔ خیال آیا کہ اگر کوئی مسافر پاکستان کے بارے میں اس موضوع پر لکھے تو کیا لکھے گا؟ ہماری جامعات اور تحقیقی اداروں میں موضوعات کا انتخاب کسی ضرورت یا سوچی سمجھی اسکیم کی بنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ تحقیق کار اور گائیڈ کی سہولت فیصلہ کن ہوتی ہے۔ غیرمسلم ہی نہیں، مسلم ممالک کے بارے میں بھی اسی طرح کے مقالات کی سیریز ہم قارئین کے لیے چشم کشا ہوگی، مثلاً جرمنی میں...... یا مصر میں......

فیضان احمد 'سیکرٹری جنرل اسلامی سنگھ نیپال

یہ اطلاع دیتے ہوئے مسرت ہورہی ہے کہ الحمدللہ نیپالی ترجمۂ قرآن کے رسم اجرا کا پروگرام نہایت کامیاب رہا۔ یہ ترجمہ تحریک اسلامی نیپال، اسلامی سنگھ نیپال کی پانچ سالہ محنتوں کا ثمرہ ہے۔ مولانا علاؤالدین فلاحی، فارغ التحصیل جامع الفلاح اور سابق طالب علم بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کو ترجمے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مختلف علماے کرام کی نظرثانی کے ساتھ ساتھ تین ماہر لسانیات سے بھی اس کی زبان کی تصحیح کروائی گئی ہے۔ یہ عربی متن کی نیپالی زبان میں ترجمانی ہے۔ اس کی تیاری میں قرآن مجید کے مشہور اُردو تراجم: تفہیم القرآن، تدبر القرآن، احسن البیان، معارف القرآن اور انگریزی زبانوں میں موجود تراجم کے ساتھ ساتھ متداول عربی تفاسیر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ رسمِ اجرا کے موقع پر منعقدہ پروگرام میں سیاسی و سماجی کارکنان، مختلف مسالک کے نمایندے، ہندو، بدھ، عیسائی اور جین مذاہب کے اعلیٰ عہدے داروں سمیت بڑی تعداد میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے شرکت کی۔

قاضی گروپ آف کمپنیز

تعارف:۔

قاضی گروپ آف کمپنیز کی تاریخ گذشتہ بیس برسوں پر محیط ہے۔ گروپ کے چیئرمین **شوکت محمود قاضی** نے سال 1988 میں پراپرٹی اور ریئل اسٹیٹ کے شعبہ میں قاضی انٹر پرائزز کے نام سے کاروبار کا آغاز کیا۔ شبانہ روز کی انتھک محنت جہد مسلسل مستقل مزاجی، دیانتداری وجذبہ اخلاص کے نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کاروباری دنیا میں اب یہ ایک مستحکم اور قابل اعتماد ادارہ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ قاضی انٹر پرائزز کو الحمدللہ اب تک کئی رہائشی منصوبے مکمل کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ جہاں ممبران رہائش پذیر ہیں یا اپنے مکان/فلیٹ فروخت کر کے کئی گنا منافع کما چکے ہیں۔ قاضی انٹر پرائزز کے مکمل اور آباد ہونے والے منصوبہ جات میں **الرحمٰن ٹاؤن، پاسبان ٹاؤن، گلستان راشد** اور **فیملی اپارٹمنٹس مری** ہیں۔ جبکہ زیر تعمیر منصوبوں میں **کوہسار سٹی مری موٹروے سٹی، شفاء گارڈن اسلام آباد، قطبال ٹاؤن اسلام آباد، حمیدہ ٹیرس** اور **اسلام آباد ہل گارڈن** شامل ہیں۔ **قاضی گروپ آف کمپنیز** کے تحت دیگر اداروں میں **قاضی کنسٹرکشن کمپنی، ایچ ایس ٹریڈنگ پرائیویٹ لمیٹڈ، قاضی ہاؤسنگ پرائیویٹ لمیٹڈ پندرہ روزہ تجارتی مجلہ مستقبل** اور **فلاحی ادارہ حق ٹرسٹ** شامل ہیں۔

حق ٹرسٹ

حق ٹرسٹ کے تحت مستحقین کی فلاح و بہبود، یتیم بچیوں کی شادی، غریب طلبا کی تعلیم، دینی مدارس کی خدمات، غریب مریضوں کے علاج، چھوٹے کاروبار شروع کرنے کے لیے بلا سود قرض وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں کسی بھی قسم کے ہنگامی حالات مثلاً زلزلہ اور سیلاب وغیرہ میں متاثرین کی امداد وغیرہ بھی کی جاتی ہے۔

پندرہ روزہ مستقبل میگزین:

یہ معاشی اور کاروباری نوعیت کا ایک منفرد میگزین ہے جو پاکستانی نوجوانوں کو پاکستان میں رہ کر کم سرمایہ سے اپنا ذاتی کاروبار شروع کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور ملک کی معاشی اور تجارتی صورتحال سے قارئین کو باخبر رکھتا ہے۔

ایچ ایس ٹریڈنگ پرائیویٹ لمیٹڈ:

یہ ادارہ موٹر سائیکل اور ہر قسم کے الیکٹرانکس کے سامان کی فروخت نقد اور آسان اقساط پر کرتا ہے۔ اس شعبہ میں جو مختلف ذیلی ادارے اور برانچیں کام کر رہی ہیں ان میں ایچ ایس ٹریڈرز راولپنڈی واسلام آباد، **HS** ٹریڈرز میانوالی، **HS** ٹریڈرز دولتالہ، فرینڈز الیکٹرانکس چکوال، قاضی مارکیٹنگ مظفر آباد شامل ہیں۔

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور سے شائع کیا

قرطبہ سٹی

امن اور علم کی بستی اکیسویں صدی کا محورِ تعلیم و تحقیق

Madina Tul Ilm



محلِ وقوع و آب و ہوا:

قرطبہ سٹی کے لئے جگہ کا انتخاب چکری انٹرچینج ،موٹروے (M2) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ جگہ اسلام آباد، راولپنڈی سے 30 منٹ کی ڈرائیو (50 کلومیٹر تقریباً) پر تحصیل راولپنڈی میں واقع ہے۔ کوہ خیری مورت کے دامن میں واقع یہ علاقہ قدرتی مناظر سے مالا مال ہے۔ اس کا موسم اور نشیب و فراز اسلام آباد سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کے درمیان سے دریائے سل بل کھاتا ہوا گزرتا ہے جس میں قدرتی چشموں کی وجہ سے سارا سال پانی کا بہاؤ رہتا ہے۔

شہری سہولیات و خصوصیات:

❀ تمام سہولیات جو ایک جدید شہر میں ہوتی ہیں ❀ شجر کاری اور اس کی مستقل دیکھ بھال گھروں کے معیاری نقشہ جات کی فراہمی۔

❀ قرطبہ سٹی کا اندرونی ٹرانسپورٹ کا نظام ❀ قرطبہ سٹی سے اسلام آباد، راولپنڈی تک ٹرانسپورٹ کی سہولت ❀ منصوبے کو آبادکاری کے دوران مالی لحاظ سے خودکفیل رکھنے کا نظام۔

❀ اسلامی معاشرتی اقدار کے فروغ کے لئے شہری زندگی اور ہمسائیگی کے خصوصی بائی لاز ❀ تمام شہری سہولیات کی فراہمی اور مستقل دیکھ بھال کا نظام۔



منصوبے کی خصوصیات:

❀ قرطبہ سٹی کے وسط میں وسیع و عریض بین الاقوامی قرطبہ یونیورسٹی کا قیام و انصرام۔ یہ یونیورسٹی جدید سائنسی اور معاشرتی علوم پر تحقیق اور اُن کو اسلامی قدروں میں ڈھالنے کا محور ہو گی۔ ❀ ایک عظیم الشان مرکزی جامع مسجد قرطبہ کا قیام و انصرام۔ یہ جامع مسجد یونیورسٹی سے ملحقہ ہوگی اور یونیورسٹی کے مقاصد کے حصول میں کلیدی کردار کی حامل ہوگی۔ ❀ خواتین کے لئے خصوصی کاروباری مراکز و تفریحی مقامات۔

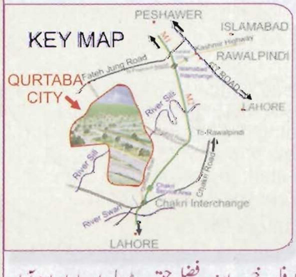
ترقیاتی کاموں کی صورتِ حال اور ماسٹر پلان:

❀ اس عظیم الشان منصوبے کے لیے 4 سے زائد ملحقہ موضع جات میں زمین کی خریداری جا چکی ہے۔ ان میں سے ایک موضع کی زمین کو یکجا کیا جا چکا ہے (الحمد للہ)۔ اور بقیہ موضع جات میں یکجا کرنے کا عمل جاری ہے۔ منصوبے کے حجم کے پیش نظر اس کی منصوبہ بندی اور تکنیکی کام ملک کے مشہور اور مایہ ناز تکنیکی منصوبہ ساز اور کنسلٹنٹ میسرز نیسپاک (نیشنل انجینئرنگ سروسز پاکستان) کو سونپا گیا ہے۔ نیسپاک نے ایک جامع شہری منصوبہ پیش کر دیا ہے۔ اور یکجا ہونے والے وسیع رقبہ کی منصوبہ بندی مکمل کر دی ہے۔ انجینئرز کا تیار کردہ ماسٹر پلان TMA کے پاس منظوری کے لئے جمع کروا دیا گیا ہے۔ اور تکنیکی مرحلوں سے گزر کر اب یہ ماسٹر پلان منظوری کے آخری مرحلہ میں ہے۔


قرطبہ سٹی پراجیکٹ آفس کا ایک منظر

پراجیکٹ آفس اور سائیٹ کا مشاہدہ:

❀ عظیم الشان منصوبے کی ضرورت کے مطابق تمام جدید سہولیات سے مزین پراجیکٹ آفس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اور جلد ہی انجینئرز اس آفس میں تعمیراتی کاموں کی نگرانی کا آغاز کر دیں گے۔ آپ سائیٹ کے مشاہدہ کے لیے چکری انٹرچینج موٹروے (M2) سے نکل کر اشارتی بورڈز کے مطابق پراجیکٹ آفس کا دورہ کر سکتے ہیں۔



پلاٹ بکنگ:

❀ ٹاؤن پلاننگ کی منظوری کے ساتھ ہی مزید پلاٹ بکنگ کے لئے پیش کر دیے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی الاٹمنٹ کا طریقہ کار اور نئی قیمتوں کا تعین بھی کر دیا جائے گا۔

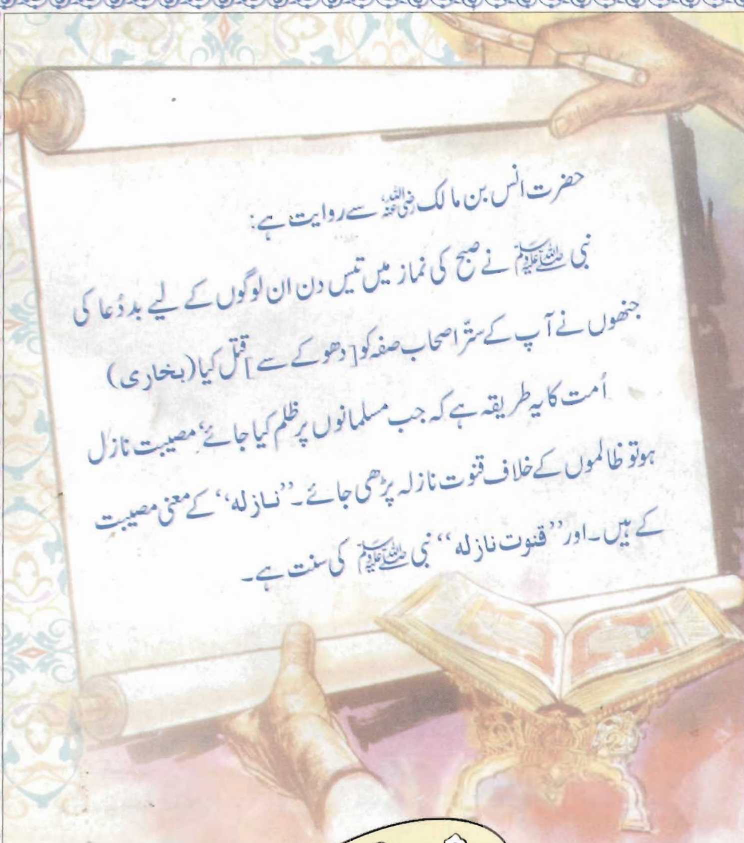
موجودہ پلاٹ ہولڈرز متوجہ ہوں:

❀ قرطبہ سٹی کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا ڈاک کا پتہ درست کروائیں تا کہ ڈاک کی ترسیل یقینی بنائی جا سکے۔ ایڈریس تبدیل کرنے کے لئے فارم دفتر سے حاصل کریں۔ اقساط پر بکنگ کروانے والے حضرات فوری طور پر اپنی بقایا اقساط جدول کے مطابق ادا کر دیں۔ بقایا جات جاننے کے لئے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ خواتین و حضرات اپنی رائے اور تجاویز سے مدینۃ العلم کے پتہ پر یا Email کے ذریعہ آگاہ کریں۔

مدینۃ العلم

فلیٹ نمبر 4، فسٹ فلور، خیبر پلازہ، فضل حق روڈ، بلیو ایریا، اسلام آباد
فون: 92-51-2206380 فیکس: 92-51-2270411
info@qurtabacity.com

Rev. 4.0


حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
نبی ﷺ نے صبح کی نماز میں تیس دن ان لوگوں کے لیے بد دعا کی
جنھوں نے آپ کے ستّر اصحاب صفہ کو [دھوکے سے] قتل کیا (بخاری)
اُمت کا یہ طریقہ ہے کہ جب مسلمانوں پر ظلم کیا جائے، مصیبت نازل
ہو تو ظالموں کے خلاف قنوت نازلہ پڑھی جائے۔ ''نازلہ'' کے معنی مصیبت
کے ہیں۔ اور ''قنوت نازلہ'' نبی ﷺ کی سنت ہے۔